آخر یار وفا ہوئے

عفت موہانی

حریمی بہنوں کے لیے بطورِ خاص

اگر تم باوفا ہوتے

آپ کی پسندیدہ ناول نگار کے قلم سے
اُن کا سب سے انوکھا اور اچھوتا ناول
دِل میں گھر کر لینے والا ایک شاہکار ناول

عفّت موہانی

AGAR TUM BA WAFA HOTE

(FICTION)

IFFAT MOHANI

PRICE Rs

قیمت

پندرہ روپے

ناشر

نسیم بک ڈپو۔ نمبر ۲۵ (پہلی منزل) آبابی مارگ

لکھنؤ ۱۸-۲۶۰ یوپی

فون } ۴۴۵۵۹
۴۵۳۳۴

باہتمام فہیم انہونوی (بار اول ۱۹۸۶ء) مطبع نظامی پریس لکھنؤ

چھوٹی سی ایک بات دل پر کس قدر اثر کر سکتی ہے! جیسے بہت معمولی سی پھانس سارے جسم کی تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ بھی ایک چبھن ہی تو تھی۔ ایک خلش تھوڑی ہی دیر پہلے تک وہ کتنا شوخ و شنگ اور زندہ دل نظر آ رہا تھا! بس تین چار گھنٹوں ہی میں ایسی کایا پلٹ گئی! اسے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا! کیا یوں ممکن تھا! اس پر کسی نے جادو کی چھڑی پھیر دی تھی! بڑی دیر سے ایک پہلو پر بیٹھا بے تکی باتیں سوچے جا رہا تھا! اور اپنی سوچ کی زنجیروں کو آپس میں ملانے کی کوشش کرتے کرتے خاصا جھنجھلا گیا تھا۔ ذہن پر پتھر کی سِل دھری تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ دماغ کی رگیں تانت کی طرح کھنچ کر پل بھر میں ٹوٹنے والی تھیں وہ اپنی ذہنی کیفیت سے گھبرا کر کرسی سے اٹھا اور باغ کی طرف والی بڑی کھڑکی کھول کر کھڑا ہو گیا اور دماغ پر کچھ زیادہ بوجھ پڑ گیا۔ چاندنی راتیں گزر چکی تھیں ٹھٹھرا ہوا سا چاند جیسے یرقان زدہ چہرے کا سا زرد اور مرجھایا ہوا تھا۔ اونچے درختوں کی شاخ سے الجھتا ہوا بتدریج ڈوب رہا تھا! ایک پھیکی سی مریضانہ روشنی باغ کے منظر کو دلکشی کا روپ دینے کی بجائے اداس اور مہیب بنا رہی تھی! درختوں میں ہوائیں گھستیں تو وہ آسیبی سایوں کی طرح جھومنے لگتے! ایک عجیب سا شور

سماعت پاش آواز اس دل کو مزید اداسی بخش دیتی! آسمان پر آدھی رات کے تاروں کا ہجوم تھا! بعض نیلے اور سرخ تارے اتنی تیزی سے چمک رہے تھے کہ ان پر نظریں جمانا دشوار تھا! کہیں کہیں ان کا غبار زیادہ پھیلا اور گھنا تھا! ابھی صبح دور تھی۔

ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے سوچا۔ اور یہ تاریکی نجانے کب تک اس کا مقدر ہے۔ یہ ہوائیں، یہ مٹمی سی تاریکی، ستاروں کی ضیا پاشی، پھولوں کی مہک، یہ سناٹا اور تنہائی۔ وہ رتوں سے جن کا خوگر اور شیدائی تھا۔ اب یک لخت ایک اجنبی اور نامانوس چیزیں معلوم ہو رہی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ خود کو بالکل بدلا ہوا ایک نیا آدمی محسوس کر رہا تھا۔

کھڑکی کے پٹ بند کر کے اس نے بڑا دروازہ کھولا اور باہر نکلا! ہمیشہ کی طرح یہاں بھی سناٹے کی حکمرانی دکھائی دی!۔ بڑے بھائی جو اکثر آدھی رات کے گزر جانے پر بھی اپنے کتب خانے میں بیٹھے پڑھتے رہتے تھے۔ وہ بھی شاید سو چکے تھے! ان کی خواب گاہ کا دروازہ بند اور پھیلا ہوا پردہ ساکت تھا!۔

بڑی بی جو گھر کی نگراں اور قدیم خادمہ تھیں۔ جن کا معمول تھا کہ وہ بڑی رات گئے نماز پڑھتی اور دیر تک مناجات گنگناتی رہتی تھیں آج خاموش تھیں۔

ان سب کو ہو کیا گیا ہے؟ حیرت سے اس نے سوچا اور دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا!۔ ایک بجنے والا تھا!۔

کسی کو میرے درد نہاں کی کیا خبر۔ ایک مضمحل سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ خواہ مخواہ کیوں چاہ رہا تھا کہ اس کے کہے بغیر سب لوگ اس کی پریشانی، اضطراب اور اداسی کا سبب جان لیں!۔

اس نے چاہا کہ بڑے بھیا کے دروازے پر دستک دے انھیں زبردستی جگائے اور ان سے کہے کہ وہ اس کے ساتھ جاگیں کیونکہ اسے نیند نہیں آ رہی تھی!۔

پھر اس نے بڑھا ہوا قدم تھام لیا۔ نہیں۔ وہ بے چارے تنگر بند ہو جائیں گے، اور اس کی بے چینی کا مداوا ابھی کیا کریں گے؟۔

وہ وہیں دالان کے سرے پر بچھی کرسی پر بیٹھ گیا اور سر پشت گاہ سے ٹیک کر جھل مل کرتے آسمان پر نگاہیں لگا دیں!۔

سر شام گزرا ہوا بالکل معمولی سا حادثہ پھر اس تاریک اسکرین پر منعکس ہو گیا۔ کتنی حقیر سی بات تھی! لیکن ہزار پا کی طرح اس کے دماغ سے چمٹی ہوئی تھی۔ اپنی منگیتر سے ملنے کے بعد وہ بڑا مسرور سا واپس جا رہا تھا!۔ اسکوٹر کی رفتار قابل اعتراض تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ کسی نہ کسی سے ٹکرانے کی شکل میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ سو ہو ابھی یہی۔ ایک موڑ اس نے جیسے ہی کاٹا، دوسری طرف سے آنے والے رکشے سے ٹکرا گیا۔ رکشے کا اگلا پہیہ مڑ گیا اور غیر اختیاری طور پر اس نے اسکوٹر بھی دوسری طرف موڑ لیا!۔ اتنی ہی سی دیر میں چھ سات راہگیر آس پاس اکٹھا ہو گئے۔ رکشے والا بھی زبان میں گالیاں بک کے دوسروں کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔ وہ بڑا سنگین مجرم بنا دم بخود سا کھڑا رہ گیا تھا!۔

رکشے میں بیٹھی ہوئی ایک دم سے جس سواری نے ایک جھکولا لے کر سنبھالا لیا! اضطراری سی بریک ماری تھی! اس نے اس کے ہوش ہی پر بجلی گرا دی۔ وہ اتنی بے تحاشا حسین نہیں تھی کہ وقاص غش کھا کے زمین پر آ رہتا۔ لیکن کیا سحر تھا اس کی سادگی اور معصومیت میں کہ وقاص نے اس پر ایک مرتبہ نظریں ڈالیں اور دوبارہ دیکھا تو بے خود سا ہو گیا سفید جھاگ سے لباس میں ملبوس۔ کالی کالی متوالی آنکھوں سے اسے تکتی ہوئی وہ اسے غیر معمولی حسین و سحر انگیز لگی تھی۔ ایک دفعہ کسی میوزیم میں وقاص نے وینس کی مورتی کا نظارہ کیا تھا اب! ایسے معلوم ہوا کہ جیسے وہ سنگیں مرمریں مورتی جاندار ہو گئی ہو کیسی دلفریب لگ رہی تھی وہ لڑکی۔ کالی کالی آنکھوں اور گلابی رسیلے لبوں کے

ساتھ۔ حیرت اور خوف نے جیسے بدرجہا زیادہ دلکشی اور کشش بخش دی تھی۔

"یہ کیا ہوا جناب؟" ایک صاحب نے زناص کا کندھا جھنجھوڑا "تباہ کر دیا آپ نے غریب کا رکشا!"

لڑکی کا اندر بیٹھے رہنا ناممکن تھا وہ اپنا پرس سینے سے لگائے ماتزکرفٹ پاتھ پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"م۔ معافی چاہتا ہوں" احمقوں کی طرح اس نے کہا! اور جیب سے بٹوہ نکالتا ہوا بولا "میں ان کے نقصان کی تلافی کیے دیتا ہوں" اور دو تین بڑے نوٹ بٹوے سے کھینچ کر رکشے والے کی طرف بڑھا دیے "جائیے۔ آپ اپنا پہیہ بنوا لیجئے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میری بے احتیاطی سے یہ حادثہ ہوا"

رکشے والے نے رقم جیب میں رکھی اور رکشا کھینچ کر ایک طرف چلا گیا۔ راہگیر بھی منتشر ہو گئے۔ انھیں بعد کے معاملات سے کیا دلچسپی تھی! زناص اسکوٹر سمیت لڑکی کی طرف آیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور پورے جسم میں سردی کی سی لہریں لپک رہی تھیں۔ نجانے اب شیریں لبوں سے کتنی گالیاں کھا کے بے مزہ ہونا ہے۔ مزے لینے کی توقع اسے تھی ہی نہیں۔ کیونکہ قصور اسی کا تھا! ۔کیوں اس نے آپے سے باہر ہو کر سواری کو بھی آپے سے باہر کر دیا تھا؟۔

لڑکی نے اپنی غیر معمولی دراز خمیدہ پلکوں سے سجی سنوری آنکھیں اس کی طرف اٹھائیں اور پھر اس طرح دوسری طرف دیکھنے لگی جیسے اسے کسی خالی سواری کا انتظار ہو۔ زناص سے تو وہ مخاطب ہی نہیں ہوئی!۔

وہ اس سے کچھ کہنے کے لیے پانچ منٹ تک خود کو تیار کرتا رہا پھر حواس اکٹھا کر کے بولا۔

"آپ سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔!"

لڑکی خاموشی برہمی سے اسے دیکھنے لگی!۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو۔ مطلب یہ کہ۔ آپ جہاں کہیں جا رہی تھیں۔ آئیے میں آپ کو وہاں پہنچا دوں۔!" اس نے ہکلا کر کہا اور دنیا بھر کی بے بسی اپنے چہرے پر طاری کرکے اسے دیکھنے لگا!

"جی بس" لڑکی نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ زحمت نہ کیجئے۔ جہاں کہیں مجھے جانا ہوگا۔ میں چلی جاؤں گی!" اور پھر گردن لمبی کرکے سڑک کے اژدہام میں خالی سواری کو تلاش کرنے لگی۔ جو فی الحال نظر نہیں آ رہی تھی! وقاص نے ہمت کرکے پھر کہا: "لیکن میں پوچھتا ہوں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر میری وجہ سے آپ کا کوئی ضروری کام ہونے سے رہ گیا ہے یا آپ کہیں وقت پر نہیں پہنچ سکی ہیں تو یہ میری غلطی ہے۔ اب یہ میرا پہلا فرض ہے کہ!"

"کہہ دیا میں نے کہ مجھے آپ کے ساتھ جانا نہیں ہے" لڑکی نے شاید دانت پیسے تھے "آپ نے خواہ مخواہ کی بحث چھیڑ رکھی ہے۔ مجھے اور خود کو تماشہ مت بنائیے جائیے یہاں سے!"

وقاص نے دیکھا کہ آس پاس سے لوگ مسکراتے اور کھنکھارتے ہوئے گزر رہے تھے۔ اسے ان پر بڑا غصہ آیا۔ اور فی الحال اس نے یہی مناسب سمجھا کہ خود بھی کسی خالی رکشے کی تلاش شروع کر دے!۔

"آپ کو ایک ٹیکسی لا دوں۔ اگر آپ کہیں تو" اس نے کہا۔ زبردستی کی ہمدردی میں اور وہ موڑ پہ جا رہا تھا! "یہ ہائی وے ہے۔ یہاں رکشے کا ملنا مشکل ہے! آپ کب تک اس طرح فٹ پاتھ پر کھڑی رہیں گی؟"۔

"آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں!"

"چونکہ یہ تکلیف آپ کو میری وجہ سے ہوئی ہے۔ میں بہت شرمندگی محسوس

کر رہا ہوں۔ یقین مانیئے۔ آخر آپ ایک معمولی سا لفٹ لینا کیوں پسند نہیں کرتیں؟"

"کیونکہ مردوں سے لفٹ لینا میری عادت نہیں ہے؟"

لیکن اس طرح کھڑے رہنا۔ وقاص کی تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس ضدی لڑکی سے کس طرح پیش آئے جبکہ خلوص نیت سے اس نے اسے کہیں پہنچانے کی پیش کش کی تھی۔

"یہ مجبوری ہے۔ عادت نہیں!" لڑکی بھی اپنی ہٹ کی پکی دھن کی اری معلوم ہو رہی تھی۔ کیا مجال وقاص کی گھبرائی ہوئی شکل، اس کے گڑگڑائے ہوئے لہجے۔ اور اس کی مخلصانہ پیش کش سے ذرہ برابر بھی متاثر ہوئی ہے!۔ اتنا اثر اس پر بے شک یہ ہوا تھا کہ اس نے اپنا جھاگ سا سفید آنچل سر پر ڈال لیا تھا!۔ اور پہلے سے زیادہ پیاری اور دلفریب معلوم ہونے لگی تھی!۔

پھر دفعتہ یہ ہوا کہ جیسے غیب سے ایک خالی رکشا آیا اور بالکل اس کے سامنے کھڑے ہو کر دریافت کیا۔

"کہیں چلنا ہے صاحب؟"

"ہاں ہاں۔ ٹھہرو۔!" لڑکی نے کہا اور یہ کہے بغیر کہ اسے کہاں جانا ہے۔ تیزی سے آگے بڑھ کر رکشے میں بیٹھ گئی!۔ پھر نجانے کیا ہوا تھا۔ یا تو اس نے منہ بنا کر پیشانی پر بیٹھی ہوئی مکھی اڑائی تھی۔ یا پھر مسکرا کر اسے سلام کیا تھا؟ دونوں حرکتوں میں اس نے کوئی فرق محسوس نہیں کیا تھا! وہ اسے خواہ مخواہ سلام کیوں کرنے لگی؟ کون سی ایسی جان پہچان تھی۔ کون سا احسان اس نے اس پر کر دیا تھا کہ ممنون ہوتی اور جاتے جاتے سلام کر جاتی یقیناً اس نے اپنی عادت ستھری شفاف پیشانی پر بیٹھی گندی مکھی ہی کو ہاتھ سے اڑایا تھا۔ اپنی اس تاویل سے وہ خاصا مغموم ہوا تھا۔ مگر اسے اسی تاویل پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔ پھر وہ دلگیر اور خاموش خاموش سا اسکوٹر سنبھال کر گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ راستے

میں ایک غم اور اسے ستانے لگا! کتنی بڑی بھول ہو گئی تھی اس سے۔ کاش وہ اس کے پیچھے پیچھے جا کے دیکھ لیتا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ کم سے کم دوبارہ ملنے کا امکان تو ہوتا! اگر وہ پھر کبھی اس سے ملنے چلا جاتا تو وہ اسے گولی نہ مار دیتی! ۔ یہ سوچ کر بڑی دور پہنچ کے اس نے پھر راستہ بدلا اور اسی سمت چلا جدھر لڑکی کا رکشا گیا تھا! لیکن کہیں اس کا پتہ نہیں تھا۔ شاید کسی نزدیک گھر میں اتر گئی تھی۔ یا کسی تنگ سی گلی میں مڑ گئی تھی۔ اس نے ادھر ادھر کے چکر لگائے تھے۔ اندر بے نیل زمرام ہی رہا تھا۔!

گھر پہنچا تو گیٹ ہی پر بڑے بھائی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ دتامن اپنے دلی جذبات بڑی مہارت سے چھپا سکتا تھا! اس کے چہرے سے اس کے قلبی محسوسات کا اندازہ نہیں لگ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے بھائی نے نجانے اس کے چہرے پر کیا دیکھا تھا کہ حیرت سے استفسار کیا۔

"کیا کہیں سے پٹ کے آرہے ہو۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں!"

"سچ سچ؟" اس نے پوچھا۔

انھوں نے اسے گھورا۔ دتامن ہنسنے لگا!۔

"آپ کا خیال ہے کہ میں پٹ کے آیا ہوں۔ حالانکہ میں تو اپنے نزدیکی عزیزوں کے سر آنکھوں پر بیٹھ کر آرہا ہوں۔"

"ہوں۔ تو پھر پہنچ گئے کلی کے یہاں۔!" انھوں نے فوراً معاملہ بھانپ لیا: "تم سے میں نے کہا تھا کہ یہ روز روز کا آنا جانا ٹھیک نہیں۔ تمھاری کیا وقعت رہ جائیگی"

"بھیا اتنی بھی رقابت اچھی نہیں!" اس نے جان بوجھ کر اس طرح کہا کہ ظہیر صاحب کو غصہ آجاتا مگر وہ مسکرائے تھے۔ اور بولے تھے۔

"بیوقوف! معلوم نہیں کہ کیا کیا ہے تم نے۔ یہ ادھر گھٹنے پر تیل اور کالک کا داغ کیسا ہے؟"

اے باز آیا کہ ٹکر لگتے ہی اس کا گھٹنہ مڑے ہوئے پہیے سے جا لگا تھا۔ ظہیر صاحب کی بائیک بینی پر وہ چلا اٹھا۔

"جی ہاں میں کبڈی کھیل رہا تھا!"

انھوں نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔

"اسکوٹر لے جائیے!" پیچھے سے وہ چیخا۔ انھوں نے مڑ کے بھی نہیں دیکھا۔ اس کا روز کا معمول تھا کہ رات کے کھانے سے پہلے اپنے ننھے سے بھتیجے سے کھیلا کرتا اور ان بڑی بی سے گپ شپ ہوا کرتی۔ جو اس کی مرحوم ماں کے جہیز میں آئی تھیں اور اب گھر کی ایک بزرگ۔ اور اہم فرد ہو چکی تھیں۔ دونوں بھائی ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ بہت دنوں سے اس سنسان اور ویران خوبصورت سی کوٹھی کے شب و روز اسی یکساں ٹھہراؤ سے ایک کے بعد ایک گزرتے چلے جا رہے تھے۔ ایک سناٹا، ایک جمود اور عجیب سی یکسانیت تھی جس پر گزرتے ہوئے لمحوں کا اثر نہ تھا! جیسے وہاں کے مکین اسی ماحول، اور کوٹھی کی سنگین فضا کے عادی ہو چکے تھے! کسی ہلچل کے آرزومند نہ تھے کسی انقلاب یا تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ ان کی دانست میں کوئی خوشگوار انقلاب اس گھر کی تقدیر میں تھا ہی نہیں!۔

لیکن یہی انقلاب اس شام نانی، ماں کو حیران کن معلوم ہو رہا تھا [illegible] سے آئے اور خاموشی سے اس کرسی پر جا بیٹھے جس پر بیٹھتے اسے بے [illegible] اور [illegible] محسوس ہوتی تھی۔ اس نے اس شام اپنے چھوٹے سے بھتیجے کو کبھی نہیں پوچھا [illegible] بیٹھا ان کلیوں کو دیکھتا رہا جو چپکے چپکے کھل کر پھول بن رہی تھیں! اور چپکے چپکے دھوپ [illegible] ہوتے ہوتے غائب ہونے لگی تھی! زندگی کے مظاہر اتنے دلکش ہوتے ہیں [illegible] کہ آدمی خوش ہو۔ اور اداس نہ ہو۔ لیکن یہ سارے نظارے دلکش [illegible] بے معنی، اور بے رنگ اور عجیب لگ رہے تھے۔ اس کے دل میں ایک پھانس بدستور

کھٹک رہی تھی! اپنی حماقت، غفلت اور بے پروائی پر اسے رہ رہ کے غصہ آرہا تھا۔
پھر نانی اماں پریشان سی اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئیں۔ صورت سوال تھیں۔ ان
کے ساتھ مصیبت یہ تھی کہ وہ کچھ اونچا اونچا سنتی اور معقول بات کا بالکل ہی غیر متعلق سا جواب
دے سکتی تھیں، پھر اس وقت وقاص کا دل چیخنے اور ان کا اُول جلول جواب سننے کو
مطلق نہیں چاہ رہا تھا!۔
"کیا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔ گم صم سے آکے بیٹھ گئے ہو۔ اللہ نہ کرے
کچھ جی برا ہے کہ کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔ منہ بول نہیں رہے ہو۔ ننھا بھی آج ناوقت
سو گیا۔ ایسی ہے جی بہنا!" ان کی گاڑی دیر تک نہ رکی وقاص دل ہی دل میں جھنجلا
گیا۔ ان کے بہرے پن کا لحاظ کیے بغیر بولا۔
"کچھ پیدل چلا تھا۔ تھک گیا ہوں کوئی خاص بات نہیں ہے"
انھوں نے جیسے سب کچھ سن کے جواب دیا: "ہے ہے کیسے ٹھٹک سے گئے کیا کسی نے
پیچھے سے ڈھکیل دیا تھا! بیٹا میں تو ہمیشہ چھینکا کرتی ہوں اور سڑک پر کنارے کنارے چلا
کرو۔ مگر تم لوگ اس بڑھی کا کہا مانتے تھوڑی ہو۔ سمجھتے ہو کہ یہ یوں ہی چیخا کرتی ہے؟"
وقاص نے جھنجلا کے کہا: "یہ ننھا کیسے سو گیا ناوقت؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے!"
"دور بار دشمن! میاں کیسی کالی زبان نکالتے ہو اس کے دشمن کھوئیں۔ نانی اماں نے
بُرا مان کے کہا: "ماشاء اللہ میرے پاس بیٹھا دیر تک کھیلا کیا تھا! ۔ وہیں لیٹ کے
سو گیا"
"اچھا میں ذرا کپڑے بدل کے آتا ہوں۔!" اشاروں سے لباس اتارتا ہوا وہ بولا
اور ان کی بے سر پیر کی سنے بغیر بھاگ کے اپنے کمرے میں ہوگیا!۔ نانی پیچھے سے چیخ
رہی تھیں۔
"چائے لا رہی ہوں۔ جلدی چلے آنا مری جاتیں کیسے دونوں منھ گرا ہے کہ

صورت اُتر کے رہ گئی ہے۔ جانے دائی کبھی میرے بچّے کو ملی کہ نہیں۔!"

سچ مچ! بے اوندھے منہ گرنا ہی کہتے ہوں گے۔ وقاص نے سوچا۔ اور پھر کرسی پر ٹیک کے از سرِ نو سوچنے لگا!۔ اس لڑکی کی شکل کیسی معصوم تھی۔ لبوں پر فرشتوں کی سی مسکراہٹ۔ مگر نہیں۔ یہ تشبیہہ تو سراسر غلط دماغ میں آ گئی۔ اس نے بھلا کسی فرشتے کو مسکراتے کب دیکھا تھا؟ وہ تو مسکرانے کی بجائے یکبارگی سفید اور پھر غصے کے مارے سرخ ہو گئی تھی! تب البتہ بے حد اچھی لگی تھی!۔ ہائے میری کم بختی میں نے اس کا گھر کیوں نہ دیکھ لیا!۔

پھر دل کی گہرائی سے کسی نے صدا دی۔ او میاں۔ گھر دیکھ لیتے تو کیا کرتے۔ اسی در پر بستر لگا لینے کا ارادہ تھا کیا۔؟ تم چھ ماہ پہلے ہی بجّو سلمیٰ بیگم رجسٹرڈ ہو چکے ہو وہ سگے چچا کی بیٹی ہے۔ تم اسے پسند بھی کرتے ہو۔ پھر اب یہ کیا ہے کہ بے ایمانی بے وفائی کی باتیں سوچے جا رہے ہو!۔ یہ شریفوں کا شیوہ نہیں۔ اس نے دل کو ڈانٹ پلا دی۔ تم یقیناً ہرجائی ہو۔ ہر اچھی صورت پر پھسل پڑنے والے۔ لاحول ولاقوۃ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا!۔ مگر دل نے اس کی ایک جو سنی ہو! وہی بات تھی۔

مگر دل تھا نادان، ضد کر رہا تھا!۔

وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ نجانے کب تک بیٹھا رہا!۔ پھر دروازہ کھلا اور ننھے ننھے قدموں سے گول مول سا ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا!۔ اس کی صورت دیکھی! وقاص کا دل پگھلا۔ جھک کر اس نے اسے اٹھایا اور گود میں بٹھا لیا۔ بے چارہ غریب بچہ۔ بن ماں کا تھا۔ وہ چھ مہینے کا تھا تب وقاص کی بھابی ختم ہوئی تھیں۔ خاص مرض بے چاری کو نہیں تھا۔ کم عمر صحت مند لڑکی ہی تو تھیں۔ ان کی موت تو سچ مچ جیسے ایک بہانہ ہی تھی سیب چھیلتے میں انگلی میں تیز چاقو کا زخم لگا تھا! معمولی بات تھی لیکن بڑھ گیا۔ پھر یہ نوبت آئی کہ زخم سرخ ہو گیا۔ ہاتھ کندھے تک سا متورم۔ ٹیسوں کا یہ حال کہ جب

بھی اٹھتی تھیں۔ بے چین کر دیتی تھیں۔ بڑے اونچے پیمانے پر ماہر ڈاکٹروں کی خدمات
ان کے لیے حاصل کی گئیں۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ چیختے چیختے ایک دن انھوں نے ہمیشہ کے لیے خاموشی
اختیار کر لی۔ کسی کو یقین ہی نہیں آیا کہ ثروت کا معمولی سا زخم زندہ رہنے والوں کے
دلوں کا ابدی اور دائمی زخم بن چکا تھا! ماں باپ کی وہ ایک ہی بیٹی تھی۔ چار لڑکوں
کی اکلوتی بہن تھی۔ اور بہت ہی ناز پروردہ کہ ماں باپ بھائی اور سبھی رشتے دار جس پر
جان چھڑکتے تھے۔ بے حد بھولی بھالی، قبول صورت، سلیقہ مند اور اتنی ہنس مکھ ایسی
خوش مزاج تھی کہ اس نے ڈیڑھ دو سال میں شوہر کا دل جیت لیا تھا! سسرالی عزیزوں
کی بھی وہ چہیتی تھی۔ بدقسمتی سے اس کے ساس سسر نہیں تھے۔ اسے ظہیر صاحب کی
خالہ اور ممانی بیاہ کر لائی تھیں!۔ اور پھر ثروت کے ناگہانی انتقال کے بعد گھر یکبارگی
بہت سونا ہو کر رہ گیا! خالہ اور ممانی ان کے بچے وغیرہ جو کچھ مدت کے لیے آ کے رہ گئے
تھے۔ وہ بھی ایک ایک کر کے چلے گئے۔ پھر گھر کاٹنے کو دوڑنے لگا! ظہیر صاحب اور ان
کا چھوٹا بھائی وقاص ڈھنڈار مکان میں بے روح اجسام کی طرح پھرا کرتے۔ ان کی
سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ زندگی گزارنے کے لیے کون سا بہانہ تلاش کریں۔ ظہیر صاحب
کا دل بجھ گیا تھا!۔ وہ اپنی تقدیر پر گھنٹوں سوچا کرتے!۔ اور پھر ان کے دماغ میں عجیب
ہیجان برپا ہونے لگا! گھر کی بربادی میں قدرت نے کون سی مصلحت رکھی تھی!۔ یہ بھی ایک
لطیفہ ہی تو تھا کہ ماں باپ کی زندگی میں ان کے ہزار اصرار پر بھی انھوں نے شادی
کی حامی نہ بھری تھی!۔ بیوی انھیں طوق و سلاسل سے زیادہ گراں بار لگتی اور بچوں
کو وہ پاؤں کی زنجیر کہتے تھے۔ عمر کے تقریباً چھتیس سینتیس سال گزر چکے تھے! ان
کے اکثر دوستوں کے بچے جوانی کی منزل پر پہنچنے والے تھے۔ اس بات کا احساس
ان کی ضعیف اور دائم المریض ماں کو بہت تھا!۔ بے چاری خوشامدیں کرتے کرتے
مناتے سمجھاتے بالآخر بیٹے کا سہرا دیکھنے کی تمنا دل میں لیے شہر خموشاں میں جا بسیں

ان کے والد مفلوج اور بیمار بستر پر پڑے تھے! ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے
لیے ایک ہمدرد ہستی کی سخت ضرورت تھی کیونکہ ان کی مسلسل دیکھ ریکھ دونوں بھائیوں
سے ممکن نہ تھی! ظہیر صاحب سائنس لیبوریٹری میں کام کرتے تھے۔ دانش زیرِ تعلیم
تھا! ان ہی لوگوں پر عجیب کسمپرسی کا عالم طاری رہتا۔ تب ایک دفعہ ظہیر صاحب
نے دفعتہً دیکھ لیا کہ ان کے معذور ضعیف والد ان کی خالہ کے سامنے رو رہے تھے
اور کہہ رہے تھے۔ انھیں بھی یونہی مرجانا تھا! جب ان کا دم نکلے گا تب ان
کے سرہانے نہ تو ان کے بیٹے ہوں گے نہ کوئی دوسرا اپنا ہوگا! وہ نوکروں کے
بیچ مرجائیں گے! ان کی سی بدقسمت تو کسی کی نہ ہوگی۔ ان کے جوان بیٹے ان کے
کہے کے نہیں تھے۔ جس طرح بدنصیب ماں ایک بہو کی صورت کو ترستی ہوئی قبر میں
جا سوتی تھی ویسے ہی وہ بھی اسی حسرت میں چل بسیں گے!۔

اس وقت ظہیر صاحب نے دیکھا کہ بوڑھے معذور مفلوج باپ کی ہچکیاں
بندھی تھیں۔ ان کے آنسو مرجھائے ہوئے گالوں پر سے بہہ کر تکیے میں جذب ہو رہے
تھے۔ وہ اپنے آنسو پونچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے آنسو خالہ پونچھ رہی تھیں اور
گلوگیر آواز میں انھیں تسلیاں بھی دیتی جا رہی تھیں!۔

تب ظہیر صاحب نے سوچا کہ ان کے والد نے ان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا! اولاد
کا پالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بھی سیکڑوں تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں
وہ ان ضعیف اور لاچار شخص نے بھی اٹھائی تھیں۔ اور اب جبکہ وہ زندگی کی
چند سانسیں پوری کر رہا ہے۔ اس کی ساری آرزوئیں، ساری تمنائیں پہلے
ہی ختم ہو چکی ہیں۔ کیا ایسے وقت اس کی ایک خواہش کا پورا کرنا بھی بیٹے
کا کام نہیں ہے؟ اگر یہ بھی اسی طرح مایوس اور ناکام دنیا سے چلے گئے تو
کیا ضمیر کی ملامت وہ برداشت کر سکیں گے! جبکہ مرتی ہوئی ماں کی آخری

صورت ابھی تک دل و دماغ پر جوں کی توں مرتسم ہے!۔

اور پھر باپ کے ہڈیوں کے ڈھانچے کے سے سینے پر ظہیر صاحب نے ماتھا رکھ دیا۔ اور ان کی بے چارگی پر آنسو بہاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اپنی خوشی پوری کریں ان کی خوشی پوری ہوگئی۔ بڑی جلدی پوری ہوئی۔ خالہ نے اپنی سگھڑ سلیقہ مند اور خوبصورت بھتیجی ان سے بیاہ دی۔!

بڑے میاں بے حد خوش تھے!۔ اپنی نوعمر پیاری سی بہو کو وہ اپنے سامنے بٹھائے اس سے جانے کہاں کہاں کی باتیں کیا کرتے۔ زندگی کے آخری دن ان کے بہت آرام سے گزرے! ان کی ازلی خواہش کے مطابق ثروت ہی ان کی خدمت کرتی تھی۔ اپنے ہاتھ سے انہیں نرم غذا پکا کر کھلاتی، اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر لاتی اور انہیں پلاتی۔ ان کا منہ دھلاتی۔ ان کے بے بنیاد، طفلانہ سی باتوں کا ہنس ہنس کر جواب دیتی۔ بے چارے کبھی کراہتے تو جھٹ سے ان کے سوکھے کھپچیوں کے سے ہاتھ پیر دبانے لگتی! بڑے میاں کے منہ سے دعاؤں کے آبشار بہہ نکلتے!۔ نہ صرف وہی ایک اس سے خوش تھے۔ بلکہ جو بھی دیکھتا ثروت کی ہمدردی، تیمارداری، خلوص اور خدمت کو سراہتا تھا! اس نے ان کے سوا سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔ دلھن بن کر تو بیٹھی ہی نہ تھی!۔ سب کے دلوں میں اس نے گھر بنالیا تھا!۔ لوگ دعائیں مانگتے تھے۔ خدا سب کو ایسی ہی بہو بیٹی دے!۔

بڑے میاں کی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ زندگی بھی پوری ہوگئی! ان کے مرنے کے بعد ایک بہت پیارے وجود نے خلا کو پُر کر دیا! ظہیر صاحب جو بیوی کے نام سے الرجک تھے۔ اب ثروت کے نام کا کلمہ پڑھتے۔ اس سے انھیں بے حد محبت تھی! پھر جب وہ ننھے منے بیٹے کے باپ بنے تب تو ان کی خوشیوں

میں ان کی نظر آپ لگنے لگی! ۔ پہلے ان کی سنجیدگی اور متانت خاندان بھر میں مثالی تھی! کسی نے انھیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا! ۔ ضرب المثل سنجیدگی تھی ۔ لیکن اب تو ذرا ذرا سی بات پر وہ ہنسنے لگے تھے! ۔ خوش رہنے لگے تھے ۔ اپنی باہر کی مصروفیات انھوں نے جان بوجھ کر کم کر دی تھی ۔ پہلے سویرے گھر سے چلے جاتے اور دیر کر کے گھر آتے ۔ مگر اب وہ بیوی بچے کی محبت میں آفس سے بھی چھٹی لینے لگے تھے ۔ سارا سارا دن گھر میں رہتے! ۔ اور بس ثروت اور ننھے کے وجود میں گم ہو جاتے! ۔

پہلے پہل وقاص خاصا لاابالی پھرتا تھا! اس کا دل نہ گھر میں لگتا نہ گھر سے باہر کبھی وہ دوستوں کے ساتھ گھومنے شہر سے باہر چل دیتا کبھی اپنے چچا کے ہاں ڈیرہ جما لیتا ۔ ان کے ہاں بچے بہت سے تھے! ۔ سب کے سب شوخ و شریر اور محفل پسند تھے ۔ لڑکے تھے تو سیر سپاٹوں اور ہنسی مذاق میں مگن، لڑکیاں تھیں وہ بھی خوش مزاج اور ہر دم مسکرانے والی وقاص اپنے بڑے بھائی کے بالکل برعکس تھا! ۔ وہ جتنے خاموش، سنجیدہ اور گوشہ نشین تھے ۔ یہ اتنا ہی باتونی شریر اور مجلس پسند ۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ۔ سگے بھائیوں کے مزاج میں اتنا بُعد و تضاد کیسے تھا؟ ۔

ظہیر صاحب اپنے پسندیدہ گوشے میں کرسی پر بیٹھتے تھے ۔ سوچتے تھے ۔ گھنٹوں تک اٹھنا بھول جاتے تھے! ۔

وقاص تھا! ہر نشست پر اس کے لیے کانٹے اُگے تھے پل بھر نچلا نہ بیٹھ سکتا اور غور و فکر سے تو اسے دشمنی تھی! ۔ آج تک کسی بات پر اس نے کبھی غور نہ کیا تھا! ثروت اور اس کے بچے نے اس کی زندگی کا رُخ بھی موڑ دیا ۔ اب وہ تھا اور اس کا ننھا سا بھتیجا! ۔ دن بھر اسے بانہوں پہ جھلایا کرتا ۔ اور پھر یہ بھی ہونے لگا تھا کہ ۔

ظہیر صاحب کی دماغی کمتری کا اثر وقاص پر بھی پڑ گیا تھا! اب اس کے وہ شوخ و شریر قہقہے ایک اداس مسکراہٹ میں بدل گئے تھے۔ گھنٹوں چپ چاپ رہتا پھر اپنی قدیم روش پر چل نکلتا تھا!۔ دن دن بھر غائب رہتا! تعلیم میں اس کا دل نہ لگتا۔ اس کی واحد آرزو یہ تھی کہ وہ کسی باہر کے ملک سے کوئی بڑی ڈگری لا سکے! اب اس کا تذکرہ تک نہ کرتا!۔ بچے سے اسے بہت محبت تھی! وہ گھر کی بڑی بوڑھی قدیم خادمہ کے سپرد کر دیا گیا! اس کی دیکھ بھال ان دونوں بھائیوں کے بس کا روگ نہ تھی!۔ چونکہ بچہ شروع ہی سے وقاص سے مانوس تھا لہٰذا اس نے ماں کی کمی محسوس نہ کی چھ ماہ کی ننھی سی جان کو کیا پتہ تھا کہ وہ کتنے افسوس ناک خسارے سے دو چار ہو گیا تھا۔

شام کے تاریک سائے در و بام پر چھا چکے تھے! اندر کمروں میں ابھی تک کسی نے روشنی نہ کی تھی! وقاص کرسی پر بیٹھا دور عمارتوں میں لوگوں کے چلتے پھرتے سائے دیکھ رہا تھا اور کڑھ رہا تھا! کیا اس کے گھر کی گورستانی فضا اب کبھی نہ بدلے گی!۔ رہ رہ کے اس کے سینے سے ایک ہوک نکلتی!۔

دفعتہً کمرہ میں روشنی ہو گئی! اس نے چونک کر دیکھا! بڑی بی نے بجلی جلائی تھی!۔ اور چائے کی پیالی لیے کھڑی تھیں!۔ کچھ خفا ہو رہی تھیں۔

"لاؤ ننھے کو مجھے دو اور چائے پیو۔ واہ یہ اچھا وطیرہ اختیار کیا ہے کہ میں آوازیں دیے جا رہی ہوں۔ مگر جواب کیا دیتے کہ یہ جا وہ جا نظروں سے اوجھل؟"

"نانی نظروں سے اوجھل ہونا کہتے ہیں۔" وہ چپکے سے بولا۔ مگر وہ کیا سنتیں!۔ ن

کہ اپنی لغت ایسے ایسے الفاظ بلکہ "الفاظوں" سے بھری پڑی تھیں۔

"وقاص! جی تو اچھا ہے۔۔!" انھوں نے پھر پوچھا۔

"عجیب اداسی سی ہے گھر میں!" وہ ہمیشہ ان کی کمزوری بھول جاتا تھا۔ چنانچہ لفظ اداسی کو انھوں نے کچھ اور سنا اور بگڑ کر بولیں۔

"شادی بیاہ کا معاملہ گڑیا گڈے کا کھیل تو ہے نہیں کہ منھ سے نکلا اور پورا ہوا۔ کوئی اپنا ہمدرد و خیر خواہ آگے پیچھے ہوتا تو ہو جاتی ابھی تک شادی بھی۔ نگوڑی یہ تالیم (تعلیم) کا جھنجھٹ ایسا نکلا ہے کہ جب تک موئی پوری نہ ہو کسی کے سر سہرا نہیں بندھ سکتا!۔ یہاں نہ تمھاری پوری ہوتی نہ وہاں لڑکی کی۔! تو بچ ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔ عمر میں بڑھ جائیں۔ کھال پر چار خانہ بن جائے۔ سر پر راکھ اڑنے لگے مگر غارت گئی تالیم ادھوری نہ رہ جائے!"

وقاص نے پیالی میز پر رکھ دی اور ان کے پاس جھک کر زور سے بولا۔

"یہ آپ کا لیکچر سب صحیح ہے۔ نانی۔ مگر میں نے شادی کب کہا تھا۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اداسی سی ہے جی اداس ہے۔!"

اور بڑی گمبھیر اداسی نانی کے جھریوں بھرے چہرے پر منجمد ہو گئی! غمگین نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی بولیں "بیٹا کیسے نہ ہو اداسی۔ گھر کا تختہ ہی الٹ کے رہ گیا۔ وہ باتیں اب رہی ہی نہیں ہیں۔ ادھر میرا لیے زبان ٹھہر جانے کہاں دل کا درد چھپائے ڈائیں ڈائیں پھرا کرتا ہے۔ ادھر تمھارا دل نہیں لگتا۔ ارے لگے بھی کیسے۔ گھر میں کچھ نورق (رونق) رہی ہوتی تو پہلے کے سے چہچہے ہوتے! جانے کس مردے نکلے کی نظر لگی کہ سبھی کچھ تین تیرا ہو کے رہ گیا۔ اچھا بیٹا۔ سن تو میری ایک بات!۔ اگر تیری مرضی ہو تو میں ایک بار تیرے چچا کے پاس جاؤں اور کہوں ان سے کہ اب انتظار کس بات کی ہے۔ جلدی سے دو بول پڑھا دیں۔ سچ کہتی ہوں

ہاں کہ سلمیٰ بیٹا اس گھر میں آجائے گی تو پھر سے ذرا چہل پہل ہو جائے گی گھر میں۔ اب تو میرا جی بھی نہیں لگتا! تو جاؤں کل کسی وقت ان کے ہاں!"

"ابھی نہیں!" وہ ابھی ان کے کان میں چیخا

"کیوں ابھی نہیں!" وہ بھی چیخیں۔

"نانی ماں وہ کہتی ہے کہ تم کون سے کماؤ پوت ہو کر شادی پر آمادہ ہو رہے ہو!" سفید جھوٹ بکتے ہوئے اس نے کہا: "اور کہتی ہے کہ پہلے کہیں چار پیسے کمانے کا حوصلہ پیدا کرو پھر شادی وادی کی سوچنا! مجھے گھر لے جا کے سنبھال دو گے تو کھلاؤ گے کیا!"

"اسے ان باتوں سے کیا مطلب!" جھنجھلا کر نانی نے کہا "اب کیا اس کے بھیا کے ذمے والے یہاں نہیں ہیں ماشاءاللہ اور وہ سے ٹھہرے میاں کی پانچ ہزار ماہانہ کی تنخواہ... تین آدمیوں کے لیے کچھ کم ہے!"

"نانی بھیا کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ میرے بھروسے شادی نہ کرنا۔" تو اس نے کہا۔ "اپنا ایک پیسہ کبھی تمہیں نہیں دوں گا! میری محنت کی کمائی! ایسے ... کے ..."

نانی حیران رہ گئیں: "لو بھلا سگا چھوٹا بھائی ایسا غیر کیسے ہو گیا"

"یہ آپ انہیں سے پوچھیے گا۔" وہ پاس بولا۔ اور پھر دل ہی دل میں ہنسا نانی ... بعید نہیں بیمار رہ گی! وہ بے چاری سفید سر افسوس کے مارے ہلاتی ہوئی بڑبڑائیں "کیا زمانہ آن لگا ہے۔ اور میں تو یقین نہیں کرتی۔ اس نے ایسا کہا ہو تمہارے سے ... جان دیتے پر ... بس ... سچا نہیں تم نے کیا سنا۔ اس نے کیا کہا ہے۔"

"یہ بھی کہہ رہے تھے کہ تم بھی میرے گھر سے چلے جاؤ۔" اس نے ان کے کان میں منہ لگا کے گویا نیو بجایا۔ "میری مفت کی کمائی کھا کھا کے بیل ہوئے جا رہے ہیں بھیا اب بالکل بدل کے رہ گئے ہیں نانی!"

"ارے ہاں۔ بھئی تو میں ہوں۔ ہر وقت گم صم کسی سوچ میں پڑے رہتے ہیں!" وہ
فکر مند ہو گئیں۔ "اللہ ہی ان کے حال پر رحم کرے۔ دلہن کا غم انھیں گھلتا نہیں۔ کیا
کروں میں ان کے لیے۔ دیکھا کرتی ہوں صبح سے شام تک، ساری ساری رات ٹہلتے رہتے
ہیں۔ سگریٹ پیتے رہتے ہیں . . . . . کھانا کبھی ڈھنگ سے نہیں کھاتے نہ دن
کو چین نہ رات کو نیند۔ کوئی اچھی لڑکی نظر میں ہوتی تو میں ایک مرتبہ اور ہاتھ پاؤں
جوڑ کے مناتی کہ پھر سے گھر آباد کریں!"

"نانی میں بے روزگار ہوں۔ بھیا روزگار سے لگے ہیں!" وہ بولا "آپ سلمیٰ کی شادی
انھی سے کیوں نہ کرا دیجیے!"

"زبان ہلا دینا ہے بس!" نانی زور سے بگڑیں۔ "نہیں سوچا کہ اول تول منھ سے کیا نکل
رہا ہے۔ لو بھلا کوئی بات ہے۔ وہ ان سے اتنی چھوٹی ہے۔ سنا ہے میں نے اپنے کانوں
سے اسے بیٹی بیٹی کہہ کے پکارتے ہیں! شادی کیسے کر لیں گے!"

"آپ نے الٹا سنا ہے!" وقاص ان کے کان میں بولا "بیوی، بیوی کہہ کے پکارتے
ہوں گے!" اور مار کھانے والی بات کہہ کر وہ بھاگ کے دور جا کھڑا ہوا۔ نانی برا
بھلا کہتی رہیں!

ثروت کے انتقال کے بعد ظہیر صاحب کے گھر کا کارخانہ قطعی درہم برہم ہو کر رہ
گیا تھا۔ تب ان کے ایک چچا اور چچی کچھ مدت کے لیے ان کے ہاں آ کر رہ گئے تھے۔
ان کے ساتھ چار پانچ بچے تھے! وہ اپنے ہاں کی ماما کو بھی ساتھ لے آئے تھے! ان کی
بڑی لڑکی سلمیٰ بھی ہوسٹل سے آ گئی تھی! اس نے آنے کے ساتھ ہی اجڑے گھر کو از سر
نو آباد کر دیا تھا! اتنی سلیقہ شعار، تمیز دار اور پھرتیلی لڑکی تھی کہ اس کی خدمت اور
سلیقہ دیکھ کر تعجب ہوتا! کتنی جلدی اس نے گھر سنبھال لیا تھا۔ ناشتہ کھانا تو خیر
سب کو وقت پر ملتا ہی تھا! اور ایسا ایک چیز جو وہ اپنی ماما کے ساتھ

حل کر تیار کرتی تھی۔ بہت لذیذ اور اشتہا خیز ہوتی! اس کے علاوہ اس نے سارے گھر کی صفائی اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ ابھی دیکھو تو باورچی خانے میں کھڑی کچھ پکار رہی ہے ابھی دیوان خانے میں موجود ہے۔ صوفوں کے غلاف! بدکشن بدل رہی ہے۔ ابھی بچے کے پاس پہنچ گئی اسے فیڈر کرا دیا اور ابھی غسلخانے میں کھڑی تازہ پانی بھرنے لگی!۔ وہ تو ایک جیتی جاگتی انسانی شکل کی مشین تھی!۔ اور تقریباً خاندان بھر کو وہ پسند تھی! بہت سی لڑکوں کی مائیں چاہتی تھیں کہ اسے اپنی بہو بنا کر لے آئیں۔ اپنی خدمت، سلیقہ مندی اور پھر تیلے پن سے اس نے سب کا دل موہ لیا تھا۔

"اور ابھی تو اس نے ظہیر صاحب کے دل پر خاص اثر کیا تھا!۔ وہ سنجیدہ، متین، کم گو تھے تو کیا۔ دیکھتے تو تھے کہ کس طرح اس نے بگڑتے ہوئے گھر کا محور درست کیا تھا! اور اسے مزید تباہی بربادی سے بچا کر سیدھے راستے پر گامزن کر دیا تھا!۔ اتنی کم عمر لڑکی کی سلیقہ مندی سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے۔ انھیں علم تھا کہ اس کے خواہاں بہت سے گھر تھے لیکن انھوں نے سوچا کہ یہ قابل قدر جوہر صفت لڑکی ان کے اپنے گھر میں آنی چاہیئے۔ چنانچہ ایک دن انھوں نے چچی سے کہا تھا!۔

"آپ سے میرے گھر کی حالت پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ اور سلمیٰ اگر یہاں آ کے اس کی باگ ڈور نہ سنبھال لیتیں تو سچ کہتا ہوں کہ خدا جانے یہ اور کتنا برباد ہوتا!۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ اب اس گھر کا نگران کار، ہماری فکر کرنے والا کوئی ہمدرد اور مخلص فرد باقی نہ رہا!۔ نانی اماں بے چاری بے شک ہیں لیکن ان کی عمر ایسی ہے کہ وہ خود کسی کی خدمت کی محتاج ہیں!۔ تو چچی اماں۔ آپ سے میں استدعا کرتا ہوں کہ ہم پر رحم کر کے سلمیٰ کو مجھے دے دیجئے!۔"

چچی جان اکثر گھرانوں کی چچی جانوں کی سی بیدرد، سنگدل، خود غرض اور کم ظرف نہیں

تھیں۔ وہ بہت نیک، مخلص اور ہمدرد خاتون تھیں۔ لیکن ظہیر صاحب کے سے سنجیدہ اور کم سخن انسان کے منھ سے یہ کھلی کھلی بات سن کر انھیں بے حد تعجب ہوا تھا! ابھی تو ان کی بیوی کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا!۔ نہ کہ دو ہی ماہ بعد ان کی یہ خواہش انھیں کچھ عجیب سی لگی! لیکن چچی کی خاموشی نے ظہیر صاحب کو مطلب سمجھا دیا کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا تھیں۔ لہٰذا انھوں نے زیادہ سنجیدہ لب و لہجہ میں کہا:

"میرا مطلب آپ نہیں سمجھیں! میں اپنے لیے نہیں کہتا! سلمیٰ کو جب سے میں نے دیکھا ہے۔ بڑا خود غرض ہو گیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کی یہ پیاری سی بچی میرے گھر آئے! وقاص کی دلھن بن کر۔ آپ سے میں کہہ نہیں سکتا کہ اگر آپ نے میری درخواست قبول کر لی تو مجھے کتنی خوشی ہوگی! بے شک ابھی وہ زیر تعلیم ہے لیکن خدا نے چاہا تو اسی سال اس کی تعلیم ختم ہو جائے گی! میں چاہتا ہوں کہ سلمیٰ سے اس کی منگنی کر دی جائے۔ شادی اس وقت ہوگی۔ جب آپ کہیں گی!"

چچی خوش ہو گئیں! وہ تو دل سے یہی چاہتی تھیں ان کی ہیرہ صفت بچی کسی جوہر شناس کے پاس جائے!۔

چچا جان نے فوراً ظہیر صاحب کی خوشی اور مرضی پر صاد کر دیا!۔ اس سے بہتر گھر سلمیٰ کو کہاں ملتا۔ وقاص نے سنا اور انگشت بدنداں رہ گیا!۔ اس نے تو کبھی سوچا تک نہ تھا کہ ایک دن اس کی منگنی ہوگی اور شادی بھی ہو جائے گی! ظہیر صاحب کے سے گوشہ نشین انسان کو دل جمعی سے تقریب کی تیاریاں کرتے دیکھ کر وہ تعجب کرتا کرتا پاگل ہونے لگا!۔

سلمیٰ اسے بھی پسند تھی!۔ اس کی سلیقہ مندی، پھر تیلے پن کو وہ سراہتا بھی تھا!۔ اور اس کی خوش مزاجی کو بھی پسند کرتا تھا! چاہے جیسا ماحول ہو کتنی ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ کتنا ہی دکھ ہو۔ اس کے خوشنما

لبوں پر ہمیشہ ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔ اور وہ ہمہ گیر تبسم جو دوسروں کو کبھی ایک ہنگامی مسرت عطا کرتا تھا وقاص کو اچھا لگتا تھا۔ لیکن بس یونہی۔ وہ لاابالی تھی اور یہ بڑا سنج تھا کہ کسی بات کو سنجیدگی سے محسوس ہی نہیں کرتا تھا! منگنی کی خبر سن کر تھوڑا سا بدحواس ہوا تھا!۔ بھابی کے سامنے نکلتے شرم آنے لگی تھی!۔ ان سے منہ چھپانے لگا تھا!۔

سلمیٰ کا حال بھی یہی ہوا۔۔ وہ اسی گھر میں تھی ظہیر صاحب نے چچا کو جانے نہیں دیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پہلے رسم ہو لے پھر وہ رخصت ہوں!۔

اس خبر مسرت اثر نے وقاص کے دل کی کلی کھلا دی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اب جانے کتنے دنوں تک کے لیے سلمیٰ کی دید سے محروم ہو گیا!۔ یکبارگی جو اس کی تقدیر نے پُرمسرت کروٹ لی! اور اس نے دوسری نظر دل سے سلمیٰ کو دیکھا تو ان پر منکشف ہوا کہ وہ اپنی صورت اور سیرت کے لحاظ سے اسی قابل تھی کہ جی جان سے چاہی جائے! اور وقاص اسے چاہنے لگا!۔

ظہیر صاحب نے چچا کو جانے کی اجازت نہیں دی تھی! ان کا منشا یہی تھا کہ پہلے تقریب پھر رخصتی!۔ وہ منگنی کی رسم کو اعلیٰ پیمانہ پر منانے کی خاطر انتظامات میں مشغول تھے! گھر پر وہ رہتے ہی نہ تھے۔ چچا کبھی چلے جاتے! چچی سردرد کی مریض تھیں۔ چنانچہ ناشتہ کے بعد وہ کچھ دیر سو رہتیں۔ ایسے میں وقاص کو موقعہ مل جاتا!۔ اس کی شرارتیں عجیب ہونے لگیں! وہ جانتا تھا کہ سلمیٰ اس سے پردہ کرنے لگی تھی! اور وہ اسے تنگ کرنا چھیڑ کرنا چاہتا تھا! اس طرح کہ سلمیٰ کو خواہ مخواہ اس سے بات چیت کرنی پڑے!۔

اس صبح جب چچی سر پر رومال کس کے اپنے کمرہ میں چلی گئیں اور باورچی کھانا لے کر چلا گیا۔ تب وقاص باورچی خانے میں آیا۔ ادھر ادھر دیکھ کر اس نے

ٹوکری سے ایک لیموں اٹھایا۔ اسے کاٹا اور اس کا آخری قطرہ تک پیالی میں
نچوڑ دیا۔ تھوڑی ہی منٹ بعد وہ دودھ پھٹ کے پنیر بن ہو گیا! چائے دان میں کھلبلا
جوں کا توں رکھ کر وہ سلمیٰ کے کمرے پر آیا۔ دستک دی! پھر پردہ سرکا کے
سلمیٰ نے باہر جھانکا!۔ وہ پردے سے یوں لگا کھڑا تھا کہ جھانکنے میں اس
کے چہرے سے سلمیٰ کا چہرہ لگتے لگتے بچا۔ وہ ہچکچا کر پیچھے ہٹ گئی!۔

"ذرا سنیئے گا!۔ ایک بہت ضروری بات ہے!" وہ جلدی سے بولا۔ پہلے
سلمیٰ سے ادب سے پیش نہیں آتا تھا، مگر جب سے منگنی کا چرچا سنا تھا۔
شرارت کے مارے اس کا بے پناہ ادب کرنے لگا تھا!۔

"کیا بات ہے؟" سلمیٰ شرمائی بھی جھنجھلائی بھی گئی!۔

"آپ تو سب کو ناشتے سے ٹرخا کے اپنے کمرے میں آ کے غروب ہو گئیں"
وہ بولا "لیکن ادھر بھیا اور آپ کے ابا سر کے درد سے تڑپ رہے ہیں! انہیں
فوراً گرم چائے یا کافی چاہیئے!"

"بھیا تو چلے گئے تھے!"

"راستے میں سر کے درد نے بے چین کیا تو آ گئے تھے۔ کہہ رہے تھے
منگنی کے لیے کچھ چیزیں آپ کے میرے لیے خریدنا چاہتے تھے۔ نہ خرید
سکے!۔ اب شاید چائے پی کے جائیں گے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ بھیا کو ابھی تک
عقل نہیں آئی!۔ ایسے کیا راستوں میں کوئی ہوٹل نہیں نصیب ہوا!"

اس کی لن ترانی سے بیزار ہو کر وہ بولی "آپ جائیے۔ میں چائے بنا
کے سب کو دیے آتی ہوں!۔"

"بھلا آپ اخلاقاً بھی مجھ سے نہ پوچھیں گی، میرا بھی چائے پینے کا دل چاہتا ہے
کہ نہیں؟" اس کے نتیجے میں بڑا زوردار دورہ آ گیا!

سلمیٰ اپنے سارے زیور گٹھڑ دوپٹے کے آنچل میں چھپائے کمرے سے نکلی اور
تیز تیز قدموں سے کچن کی طرف چلی گئی! وہ کھڑا کھڑا مسکراتا رہا! دیکھتا ہوں
محترمہ اب کس سے دودھ منگواتی ہیں۔ پانچ ہی منٹ بعد وہ کچن کے دروازے
پر دکھائی دی! اور ہونٹ چباتی ہوئی بولی۔

"آپ ذرا سنیئے گا!"

ذرا نہیں۔ بہت کچھ سنوں گا!۔ فرمائیے!" وہ لپک کر ادھر گیا۔ اور ہاتھ
جوڑ کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا!۔

وہ۔ وہ دودھ نجانے کیسے پھٹ گیا! چائے کیسے بنے گی؟"

"آپ نے اچھی طرح گرم نہ کیا ہوگا؟۔

بہت دیر تک جوش دیا تھا!۔

میری خوش قسمتی!۔

جی؟

"میں! یہ کہہ رہا تھا کہ لائیے پیسے اور برتن ابھی جا کے لے آؤں؟"

خدا خدا کر کے چائے بنی اور پھر وہ ٹرے میں تین پیالیاں رکھے پہلے
اپنی امی کے کمرے میں گئی۔ دیکھا کہ وہ کھڑکی کے پاس بیٹھی قرآن شریف
پڑھ رہی تھیں۔ سر درد کے آثار ان کے چہرے پر نہ تھے!۔

بیٹی صبح ہی کو وہ پیالی چائے پی چکی ہوں" وہ بولیں "اب نہیں
پی سکتی!"

پھر آپ نے بنوائی کیوں تھی امی؟" وہ حیران ہوئی۔

نہیں تو۔ میں نے نہیں بنوائی!" وہ اس کی شکل تکنے لگیں! بگڑی بگڑی سی
وہ ٹرے لیے باہر مڑ گئی۔ اپنے کمرے میں ظہیر صاحب بھی نہیں تھے!۔ ان کی کرسی

پر وقاص بیٹھا تھا!۔
سلمیٰ اس کی شرارت کو سمجھ گئی!۔
خدا آپ کو خوش رکھے۔ لائیے۔!" وہ بالکل ظہیر صاحب کے لہجے میں بولا۔ مگر سلمیٰ اب خفا تھی اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور بھاگ نکلنے کے پوز میں آگئی تھی کہ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
"میں پوچھتا ہوں۔ یہ مجھ سے پردہ زردہ آخر ہے کیا۔ کیوں بھاگتی ہو مجھ سے۔ کوئی نیا آدمی ہو گیا ہوں کیا؟ پہلے یہاں آ کے نہیں رہتی تھیں ہم میں خوب باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اب تو تمھاری پرچھائیاں بھی دکھائی نہیں دیتی۔ تمھارے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے۔ یہ کیا فضولیات ہیں؟"
مجھے جانے دیجئے" وہ گھبرا گئی" ابھی کوئی آجائے تو۔ یہ باتیں آپ کو اچھی لگتی ہیں مجھے نہیں؟ ادھر نانی اماں بیٹھی پان کھا رہی ہیں۔ کیا سوچیں گی کہ میں اتنی دیر تک ــــ"
وقاص ہنس پڑا۔" محترمہ چور آپ کے اپنے دل میں ہے۔ کسی اور کے دل میں نہیں۔ نانی اونچا سنتی ہیں۔ بھلا کیا دیکھیں گی؟"
اونچا دیکھتی تھوڑی ہیں" اس نے شرما کر" پلکیں اٹھائیں اور وہ انجان سی معصوم بے خبر نگاہیں وقاص کی کچھ بولتی ہوئی نگاہوں سے مل گئیں وہ تو مسکرا رہا تھا۔ مگر سلمیٰ نے پلکیں جھکا لیں!۔ حیا و حجاب کی گلابیاں اسکے چہرے پر بکھر کر رہ گئیں۔
سلمیٰ!" اس نے بڑے پیار سے پکارا۔
اب میں جاؤں گی۔ آپ چائے پیجئے ٹھنڈی ہو رہی ہے!"
اچھا ایک بات بتاتی جاؤ!۔

"میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ آپ بڑے خراب آدمی ہیں۔ اس طرح دھوکا دیتے ہیں۔ اب اگر سچ مچ بھی آپ کبھی بھیا، جی کا پیام سنائیں گے تو میں سچ نہیں سمجھوں گی!"

"بھیا کا پیام۔!" اس نے مکاری سے بھولا بن کر کہا "میں نہیں سمجھتا کہ وہ تمہارے لیے کیسے آئے گا۔ انھوں نے میرا پیام تمہارے ساتھ ۔۔۔!" "ہٹیئے؟۔ اب میں جاؤں گی!" اس نے اسے پرے دھکیلا اور ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔!

کتنے اچھے شب و روز ہو گئے تھے وہ۔ ابھی غم کا دبیز کہرا ان سب پر چھایا ہوا تھا۔ مگر چھوٹی موٹی خوشیوں کی منور کرنیں اس کہرے میں کچھ نہ کچھ دراڑیں ڈال ہی دیتی تھیں۔ جیسے وہ لوگ جان بوجھ کر مسرتوں کی تلاش میں رہتے تھے!۔ انھیں مسلسل غم سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی!"

دوسرے لوگ خود کو بہلا رہے تھے اور کانیا اب بھی ہیرو رہے تھے۔ کسی کے مرنے جینے سے کاروبارِ ہستی بس کچھ ہی دیر کے لیے درہم برہم ہوتا ہے اور پھر سب جیسے کا تیسا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ سند۔

فرزدِ واحد کی اس آشوب میں قیمت کیا ہے؟
نفسِ گل کی بیاباں میں حقیقت کیا ہے؟

دنیا جس کی اجڑ چکی تھی۔ گھر جس کا بگڑ چکا تھا۔ غم نے جس کے دل میں ناسور ڈال دیے تھے۔ چھپ چھپ کر جو آنسو بہاتا تھا۔ ساری ساری رات جاگنا جس کا مقدر رہتا۔ وہ صرف ایک ہی شخص تھا! اپنے دکھ درد کا آپ ساتھی جسے اپنے غم کا کوئی ساتھی دار پسند نہ تھا! غم یوں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرتا ہے تو اپنا حسن اپنا انداز اپنی قیمت کھو دیتا ہے۔ اور غم کی

رسوائی بے پردگی اور بے آبروئی ظہیر صاحب نے پسند نہ کی۔ ان کا غم
پردہ دار ہی رہا۔ ویسے انھوں نے دوسروں کو بہلاوے میں رکھنے کی
خاطر دلچسپیاں تلاش کر لیں۔ انھیں رفاقت کی شادی کی جلدی نہ تھی
اور وہ چاہتے بھی نہ تھے کہ زیر تعلیم لڑکے کی شادی کر کے اسے گرہستی کے
جنجال میں الجھا دیں۔ لیکن ایک تو گھر کے بکھرے کارخانے کو سمیٹنا تھا۔
دوسرے بچے کی دیکھ بھال بھی تھی۔ وہ بوڑھی از کار رفتہ نانی سے ممکن نہ
رہی تھی۔ کبھی تو یہ بھی ہوتا کہ وہ بے چارہ بچہ لیٹے لیٹے پڑا پڑا رویا کرتا
اور نانی کو سنائی نہ دیتا اپنے کاموں میں مشغول رہتی تھیں!۔

کسی دوسری آیا یا گورنس پر ظہیر صاحب کو بھروسہ نہ تھا! کیا معلوم
کہ وہ عورت جو بچے کی آیا بن کر آتی۔ اس کی صحیح دیکھ بھال کر سکتی کہ اس
کے حق میں سوتیلی ماں بن جاتی!۔ یہی وجہ تھی کہ رفاقت کی شادی کی
جلدی تھی تاکہ کسی طرح سلمیٰ کی اس گھر میں ان دونوں کے درمیان رہنے
کا شرعی اور جائز جواز پیدا ہو جائے!۔ انھیں سلمیٰ پر کامل اعتماد تھا۔ وہ
اس بچے کو اپنا سمجھ کر پال سکتی تھی۔ اور رفاقت تو ویسے بھی اپنے بھتیجے پر
جان چھڑکتا تھا! یہ دونوں میاں بیوی اس کے ماں باپ بن جاتے اور
ظہیر صاحب اپنے غم کی مسلسل آبیاری کرنے کے لیے آزاد ہو جاتے!۔

گھر میں بڑے معقول پیمانے پر شادی کی تیاریاں ہونے لگیں! اگرچہ ان کا خیال
تھا کہ یہ تقریب صرف منگنی ہی کی تو تھی جس میں اس قدر اہتمام کی چنداں
ضرورت نہ تھی!۔ کئی ایک قیمتی ملبوسات اور زیور انھوں نے سلمیٰ کے لیے
تیار کروا رکھے تھے۔ کوٹھی پر پالش ہوئی تھی۔ مہمانوں کی فہرست لکھی
گئی تھی!۔

اور پھر وقاص سلمٰی کی منگنی ہوئی خاصی دھوم دھام سے ہوئی۔ مہمان آئے ایکبار پھر گھر میں قہقہے گونجے، پھولوں کی خوشبو اڑی۔ وقاص اور سلمٰی اپنے خوبصورت لباس میں ملبوس پھول ہار پہنے جب ظہیر صاحب سے ملے تو ان کے لبوں پر بڑی پُر محبت مسکراہٹ تھی مگر ان کی آنکھوں میں ہلکے ہلکے آنسو جھلک رہے تھے۔ سب نے مسکراہٹ ہی دیکھی۔ لبوں سے ہٹ کر کسی کی نظریں آنکھوں تک نہیں گئیں!

مدتوں بعد نانی بھی خوش ہوئی تھیں۔ انھوں نے سلمٰی کی امی سے کہا "بیوی بس اب بیاہ کی تیاریاں شروع کر دو! اسی بقر عید میں شادی ہو جائے تو اچھا ہے۔ پھر محرم اور صفر کے مہینے ہیں۔ مبارک مہینہ عید کا ہی اچھا ہے!"

ظہیر صاحب بھی وہیں سب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ یہ کار خیر جس قدر جلد ہو جائے اچھا ہے!"

نانی نے کچھ سنا کچھ نہ سنا۔ بھڑک گئیں "آخر کیوں نہیں چاہتے۔ یہی باتیں تو اچھی نہیں لگتیں۔ لڑکی آجائے تو گھر سنبھالے۔ اب میں کب تک۔!"

"آپ نے سنا نہیں!" وہ مسکرائے اور جھک کر کسی قدر بلند آواز میں بولے "میں یہ کہہ رہا تھا کہ چچا صاحب جلد از جلد اس نیک کام کو انجام دے دیں تو ٹھیک ہو!"

"جیسی تمھاری مرضی میاں۔ ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے۔" چچا صاحب نے کہا۔

"آپ کسی قسم کی تیاریوں کا تکلف نہ کیجئے!" ظہیر صاحب نے کہا "خدا کے فضل سے سلمٰی کے لیے یہاں کمی کس چیز کی ہے! سب کچھ اسی کا ہے!"

"میں تو کہتی ہوں۔ یہ منگنی کا جھنجھٹ ہی کیوں کیا ہے۔ نکاح پڑھوا دیتے اب یہ ایک مہینہ اور اِدھر کے پندرہ دن۔ خواہ مخواہ کی دیر ہو رہی ہے" نانی اپنی سرسری سے بے حد بیزار ہو چکی تھیں۔ جلد از جلد ریٹائر ہونا چاہتی تھیں۔

تھوڑی بہت تیاری تو کرنی ہی ہے!" چچی نے کہا "یہ ڈیڑھ مہینے کا کیا پتہ! کس طرح گذر جائیں گے!"

نانی نے ہوا کا لفظ سن لیا "ہاں گرمی کے جھکڑ ہیں۔ مارا اپنے ساتھ گرد لے آتے ہیں کہ جیسے ریتی منہ میں گھس جاتی ہے۔ دانت کِرکِر۔ اب ایک آدھ چھینٹا پڑ جائے تو موسم ذرا ذرس ہو جائے!۔

ان کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا چچا صاحب نے ظہیر صاحب سے کہا "میاں ایک بات تم سے بہت عرصے سے کہنا چاہتا تھا۔ لیکن سوچتا ہوں کہ کہیں تمھیں بُرا تو نہ لگے گا؟۔

"ضرور کہیے! جناب!" انھوں نے کہا "آپ ایسی بات کیوں کہنے لگے جس میں کسی برائی کا پہلو نکلتا ہو!۔

خدا نخواستہ ایسا کبھی نہیں" چچا صاحب نے کہا "میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ تم نے اپنے چھوٹے بھائی کا گھر بنا دیا۔ مگر اپنے برباد گھر کی طرف بھی کوئی توجہ کی؟ بیٹے ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے۔ مرد ساٹھ ساٹھ سال کی عمر میں شادیاں کر لیتے ہیں! شرماتے نہیں۔ تم ابھی چالیس سے کم ہو۔ اپنے لیے سوچو! ساری زندگی اس طرح رہبانیت سے طرز پر نہیں گزر سکتی! تمھاری شادی ایک خواب تھا! تعبیر ہولناک سہی۔ مگر کب تک اسے بھولنا ہے۔ اپنے دل و دماغ کی صحت کے لیے۔ اپنے بچے کی خاطر۔ تم اگر کہو تو میں اپنے دوستوں سے تذکرہ کرتا ہوں۔ کئی ایک اچھے خاندانوں کی لڑکیاں ایسی ہیں جو تمھاری بیوی بننے کے قابل ہیں۔ تمھاری رائے اور مرضی مجھے معلوم ہو جائے تو پھر میں کوشش کروں گا!"

انھوں نے ایک عجیب سی دبی ہوئی آہ بھری۔ اور مدھم لہجے میں بولے "میری فکر چھوڑیئے۔ جناب!۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ خواب کی وہ تعبیر جس کی طرف آپ نے

اشارہ کیا ہے۔ میرے لیے بہت افسوسناک ثابت ہوئی ہے۔ میں شاید ساری زندگی
اسے بھول نہ سکوں گا!۔ اب میں صرف یہی چاہتا ہوں کہ یہ دونوں خوش رہیں ان
کی معصوم زندگی کسی غم اور پریشانی سے آشنا نہ ہو۔! بس میری خوشی بھی یہی ہے
مجھے اب شادی وادی نہیں کرنی ہے۔ آپ کسی سے تذکرہ مت کیجئے!۔ خواہ مخواہ بات
خراب ہوگی!"

ظہیر صاحب جانے کیسی تقدیر لے کر آئے تھے۔ جیسے کوئی خوشی انھیں سزاوار
ہی نہ تھی!۔ انھوں نے [illegible] کی شادی کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کر رکھی
تھیں۔ اور شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی تھی! لیکن اسی دوران ان کے چچا کا معمولی
[illegible] اچانک انتقال ہو گیا۔ اور ایک بار پھر ان کے گھر پر دکھ کا بادل سایہ
کی طرح چھا گیا! شادی نامعلوم مدت تک کے لیے ٹل گئی!۔

[illegible] بدلتی ہوئی مزاجی کیفیت ایسی نہ تھی جو دوسروں کی نگاہ سے پوشیدہ
رہ سکتا! وہ ہنسنے ہنسانے والا ہمیشہ خوش رہنے والا آدمی تھا! کوئی سا دکھ اسے
دیر تک متاثر نہیں رکھ سکتا تھا! لیکن اب وہ ہر ایک انتہائی تکلیف دہ حادثے سے
دوچار ہوا تھا۔ تو اس کا اثر زائل نہ ہوا۔ اس کے دماغ کے صاف شفاف [illegible] پر
ابھی تک صرف سلمیٰ ہی کی تصویر منجمد تھی لیکن اب وہ آہستہ آہستہ دھندلی ہوتی
جا رہی تھی! اس کی جگہ اس نامعلوم لڑکی کی تصویر ابھر رہی تھی جو بہت صاف
ستھری، نفاست، دلکش اور من موہ لینے والی تھی! نجانے کیا بات تھی کہ وہ جس
قدر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا۔ وہ اسی قدر شدت سے دماغ پر ابھر آتی

اس کی سادگی، بے رخی اور جانی بوجھی ضد نے وقاص کو بے حد متاثر کیا تھا!
اب وہ اسے بھولتا ہی نہ تھا! لاکھ کوشش کرتا کہ بھول جائے۔ اپنی بےخبری
خاموشی اور بھولے بھٹکے انداز کا اسے خود بھی احساس تھا! اور وہ خود کو پہلے ہی
کی طرح مسرور و بے فکر پوز کرتے کرتے خاصہ پریشان ہوا جا رہا تھا یہ خیال
بھی اسے گھبرا دیتا کہ کہیں ظہیر صاحب اس کی یہ نئی اور تعجب خیز باتیں بھانپ نہ
لیں! خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لئے وہ نانی اماں سے الجھ پڑتا! ان کی الٹی
پلٹی باتیں سن کر خوب ہنستا! ننھے سے کھیلتا۔ وہ اب دو سال کا بہت پیارا
سا بچہ تھا! باتیں کرنے لگا تھا۔ اس کی حرکتیں بہت لبھانے والی تھیں! اپنی ذہنی
تسکین کے لئے وہ زیادہ سے زیادہ ننھے کا ہو گیا! لیکن کیا چیز تھی وہ لگن،
خود سے بے خبر، اپنے آپ سے بیزار کر دینے والی محبت، اتنی قاتل ہوتی ہے
محبت۔ اب تک اسے پتہ نہ تھا سلمیٰ سے اس کی موانست اور خلوص ایک
رسمی چیز تھی۔ چونکہ وہ اس کی چچازاد بہن تھی۔ اس کی منگیتر تھی۔ لہٰذا اس
سے ایک بندھی ٹکی محبت کرنا اس کا فرض تھا اور بہ ایں حقیقت اس پر
کھل چکی تھی کہ وہ محبت نہ تھی۔ وہ بے ساختگی میں اس سے ریاکاری کر رہا
تھا۔ منافقت کے گناہ کا مرتکب ہو رہا تھا! سلمیٰ اس کی باتوں پر ایمان
لا چکی تھی۔ اس نے اسے خود سے اس قدر بے تکلف کر لیا تھا کہ اسکے محبت
کے اظہار پر وہ بھی اپنی طرف سے ایک آدھ بات کہہ جاتی! اسے اپنے پیار کی
مفارقت کا صدمہ نہ تھا۔ جسے وقاص نے اپنے محبت بھرے سلوک سے ہلکا کر دیا
تھا! سلمیٰ اس وقت کی منتظر تھی جب اس کی ممی اور ابو ظہیر صاحب کو ایک
تاریخ دے دیں اور اس تاریخ کو ظہیر صاحب بھائی کی بارات لے آئیں گے
لیکن وقت ٹلتا گیا۔ تاریخ دور بھاگتی رہی! وہ تاریخ جس کے لئے وقاص دعا گو

تھا کہ اب اگر کبھی نہ آئے وہ تو عجب سا از خود رفتہ ہو رہا تھا جیسے اسے کبھی ادراک نہ ہو کہ
اس سے کیسی ناقص حرکتیں سرزد ہو جاتی تھیں۔ ایک حادثے سے متاثر ہو کر وہ
نجانے کتنی بار انہی راہوں کی خاک چھان چکا تھا موہوم سی امید پر، شاید کبھی پھر
آمنا سامنا ہو جائے شاید۔ اس کی روز کی گزرگاہ پر کبھی پھر دکھائی دے جائے
اس نے ایک حرکت اور بھی کی تھی جو سراسر ناقابل قبول عمل تھی مگر اسے
کی تھی جہاں وہ اجنبی لڑکی سے ٹکرایا تھا اس مقام کے کئی گھروں کے در پر دستک دے چکا تھا۔

دستک دینا اور سوال روک کر منتظر ہو جاتا کہ بس اب پردے کی اوٹ
سے ماہ کامل نمودار ہوا چاہتا ہے لیکن ہوتا اس کی امید کے برعکس تھا
کہ ابھی دستک کی بازگشت ختم نہ ہوتی تھی کہ دروازے سے لگی ہوئی جھریاں طلوع
ہو جاتی تھیں۔ اس وقت وقاص کی بوکھلاہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی۔

"جی معاف کیجئے گا۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ یہاں کوئی چھ ماہ قبل میرا ایک
دوست رہتا تھا! کیا نام عبدالغنی صاحب!" فوراً ایک فرضی نام
اس کی زبان پہ آجاتا!

"نہیں جناب عبدالغنی صاحب یہاں تو نہیں رہتے۔" اس سے معذرت
کی جاتی جیسے کہ عبدالغنی صاحب کے یہاں نہ رہنے کی ذمہ داری سراسر
صاحب خانہ پر ہو۔

"معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں جناب!"

اور یہ کھیل وہ دو چار بار کھیل چکا تھا! پھر وہ بالکل مایوس ہو گیا۔
اس کی مایوسی ایک دکھ بھری چھاپ اس کے ہنس مکھ چہرے پر چھوڑ گئی! بالآخر
ایک شام جبکہ وہ سب چائے سے فارغ ہو کر ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے،

ظہیر صاحب نے اس سے پوچھ لیا "کیا بات ہے تمہیں بہت اداس دیکھ رہا ہوں۔ کہیں تکلیف ہے۔ کچھ چاہتے ہو؟ پہلے کی طرح شگفتہ نظر نہیں آتے؟"
اس کا دل دھڑکنے لگا! "کچھ بھی تو نہیں۔ سر میں تھوڑا سا درد تھا!"
"کتنے دنوں سے ہو رہا ہے درد؟"
"جی؟" اس نے آنکھیں پھیلائیں۔
"تمہاری یہ مغموم سی کیفیت میں برابر دس بارہ دن سے دیکھ رہا ہوں۔ کیا بات ہے کہدو۔ کچھ پیسے ویسے چاہئیں؟"
"جی نہیں!"
"کیوں۔۔؟" ظہیر صاحب نے اچانک سگار سلگایا اور اس کا ایک گہرا دھواں چھوڑ کر اپنا متبسم چہرہ اس سے چھپا لیا تھا! ایسا ہی ہونق دکھائی دے رہا تھا۔
"بھیا کیا ضرورت ہے پیسوں کی؟" وہ مدھم سے لہجے میں بولا۔
ظہیر صاحب کچھ کھنکھارے "اب کسی کیلئے کوئی تحفہ خریدنا نہیں ہے؟"
وہ غیر معمولی طریق سے شرما گیا۔ "بھیا۔ آپ۔۔!"
"بیٹے میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہو میری فکروں کا ہلکا سا سایہ بھی تم پر نہ پڑے! کیا بتاؤں کہ چچا صاحب کی ناگہانی رحلت نے میرے سارے پروگرام ایک طرف رکھ دیئے! میں تو چاہتا تھا کہ بس اب تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں لیکن چچی جان کا اصرار ہے کہ ابھی نہیں۔ ان مرحوم کی ایک برسی تو ہو لے میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش تو بہت کی کہ یہ رسمیں اتنی اہم نہیں ہیں جتنی اہمیت نکاح کی ہے۔ لیکن خواتین کو کوئی بات سمجھانا بہت مشکل ہے! میری بات انھوں نے نہیں مانی!

"تو بھیا ان کا کہا ہی سہی!" وقاص جلدی سے بولا۔

"کیا بات ہے اتنے برگشتہ اور بیزار نظر آ رہے ہو۔" ظہیر صاحب نے کہا۔ "ورنہ تمہارا حال تو سلمیٰ کے سلسلے میں مجنوں و فرہاد سا ہو رہا تھا!"
اس کے جی میں آئی کہ کہہ دے۔ اب نہیں ہو رہا ہے ایسا حال۔ مگر اسکی ہمت نہ پڑی۔ وہ وجہ ضرور پوچھتے۔ اسکے پاس کوئی معقول وجہ کہاں تھی؟۔

"کب سے نہیں گئے چچی کے ہاں!" انہوں نے پوچھا۔

"کوئی دس پندرہ دن ہو گئے!"

"جانا کیوں چھوڑ دیا؟"

"آپ ہی تو کہتے ہیں کہ روز روز کے آنے جانے سے قدر کم ہو جاتی ہے!"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ لڑکی تمہاری منتظر رہتی ہے۔"

"جی؟ کیا کہا آپ نے؟" وہ حیران رہ گیا۔

"میں گیا تھا وہاں۔ چچی صاحبہ نے بتایا کہ تم دو ہفتوں سے ان کے ہاں نہیں گئے! انہوں نے تمہاری بے توجہی محسوس کی ہے۔ کہہ رہی تھیں کہ سلمیٰ نے بھی تمہاری غفلت کو بہت محسوس کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی کسی بات سے ناراض ہو کر تم نے وہاں جانا چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ان کو اطمینان دلا دیا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ میں نے صحیح کہا تھا کہ غلط!" ظہیر صاحب نے کہا۔

"اب چلا جاؤں گا!" وقاص بولا۔ لیکن ظہیر صاحب نے دیکھا کہ سلمیٰ کے ذکر پر ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر سرخی نہیں بکھری تھی۔ وہ بدستور ٹھس اور بے حس دکھائی دے رہا تھا!۔

"وقاص؟" انہوں نے بے حد محبت پاش لہجے میں اسے مخاطب کیا!

زبان سے کچھ کہے بغیر وہ بڑی معصومیت سے انہیں دیکھنے لگا!
"بتاؤ کیا بات ہے؟ مجھے تو محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے تم خدا نا خواستہ کچھ بیمار ہو۔ تمہارا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔" ظہیر صاحب نے کہا۔ "اگر طبیعت کچھ خراب ہو تو میں ڈاکٹر کو فون کروں؟ کیوں؟"
"ارے نہیں!" وہ زبردستی ہنسنے لگا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دراصل مجھ پر کبھی کبھی یادوں کے دورے پڑتے ہیں!"
"کیا مطلب؟ یادوں کے دورے؟" ظہیر صاحب نے تعجب سے پوچھا۔
"جی بس۔ وہ۔" وقاص ہکلا کر بولا۔ "مطلب یہ کہ۔ کبھی مجھے امّی یاد آتی ہیں۔ ان کا محبت بھرا سلوک دل میں کچوکے سے لگاتا ہے۔ آج ہوتیں تو بات ہی اور ہوتی۔ کبھی مجھے ابا کی وہ مجبور و معذور شکل یاد آتی ہے۔ بے چارے اخیر دنوں میں کتنے بھولے بھٹکے سے ہو گئے تھے۔ بات کرتے رونے لگتے تھے۔ اور کبھی مجھے اپنی بھابی یاد آتی ہیں۔ وہ تو۔"
ظہیر صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کہنے سے روک دیا۔ "وقاص! جو لوگ گئے وہ چلے گئے۔ موت کا چکر ازل سے چل رہا ہے۔ ابد تک چلتا رہے گا! کوئی آگے گیا، کوئی پیچھے جائے گا! ایک دن ہم بھی نہ رہیں گے! انہیں یاد نہ کرو۔ جو اب کبھی واپس نہیں آئیں گے! یہ بے فائدہ ہے۔ انسان کو عمر مستعار بہت تھوڑی سی دی گئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ بیکار گنوا دے۔ اور کچھ نہ کرے! جو کچھ ہمارے اختیار میں ہے بس یہی ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں، خود کو خوش رکھنے اور دوسروں کو بھی خوش رہنے کی تلقین کرنے کی کوشش کریں! دنیا میں خوشی نام کی چیز بہت تھوڑی سی ہے۔ لیکن جتنی بھی ہے اس میں ہمارا حصّہ بھی تو ہے!"

"لیکن، آپ تو اپنے قول کے بالکل برعکس عمل کرتے ہیں! آپ کہاں خوش رہتے ہیں؟" دقاص نے کہا۔

"بے شک رہتا ہوں۔" ظہیر صاحب نے جواب دیا: "تم سب کو خوش رکھنے اور تمہاری سب کی خدمت ہی میں میری خوشی مضمر ہے! سمجھے؟"

"بھیا آپ، شادی کیوں نہیں کر لیتے:" دھڑک سے یہ سوال اس نے ان پر دے مارا۔

"کی تو تھی۔ اپنی مرضی کے خلاف!" ظہیر صاحب نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا: "صرف ابّا کی مرضی پوری کرنے کے لئے۔ انجام تم نے دیکھا۔؟ اب میری عمر کا پیالیسواں سال رواں دواں ہے، مطلب یہ کہ میں پچاسویں سال کی طرف پھسل رہا ہوں۔ آہستہ آہستہ۔ اب میرا مقصد حیات، تمہارے مستقبل کی صیقل گری اور ننھے کی پرورش و پرداخت ہی تو ہے۔"

لیکن آپ اب بھی اتنے شاندار، وجیہہ اور خوبصورت ہیں کہ کوئی بھی لڑکی آنکھ بند کر کے آپ پر فریفتہ ہو سکتی ہے!" دقاص جو ان کی خدمت میں کسی قدر بیباک و گستاخ بھی تھا۔ یوں بڑا ظہیر صاحب بے ساختہ ہنس پڑے۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولے: "تمہاری تعریف کا شکریہ! لیکن بیٹے۔ میں خود کو اپنی نظر سے بھی تو دیکھتا ہوں! وہ کچھ اور کہتی ہے۔"

"آپ مجھے بیٹا مت کہا کیجئے!" وہ جھنجھلا گیا: "تھوڑے سے آپ بڑے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ میرے بزرگ بن جائیں۔ کتنا برا لگتا ہے؟"

"پندرہ سولہ سال بڑا ہوں تم سے!" ظہیر صاحب نے کہا: "اور پھر بزرگ کسے کہتے ہیں، کیا یاد نہیں بھول گئے ہو۔ ابا نے آخری لمحوں میں

تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر کہا تھا۔ اب اس کے باپ تم ہو۔ اسی طرح اسے اپنی محبت دینا جس طرح میں نے دی تھی!"

وہ خاموش ہو گیا۔ نانی اماں بڑی دیر سے ان لوگوں کے ہونٹ ہلتے دیکھ رہی تھیں۔ چونکہ بچہ ان کی گود میں سو رہا تھا اس لئے کچھ کہہ نہ سکی تھیں کہ کہیں بچہ جاگ نہ پڑے اب اس کی نیند گہری ہو گئی تو اسے آرام سے گدے پر لٹا کر پنکھے کا رخ اس کی طرف کر کے پاس آ بیٹھیں! بے چینی سی تھی کہ ان لوگوں میں آخر کیا کیا باتیں ہوئیں۔ نہ وہ سن نہ سکیں! کئی دن سے ان کے چہرے پر بھی ایسے ہی آثار تھے۔ جیسے کہ آتش فشاں کے اندر دبکے چھپکے لاوا پک رہا ہو۔ پھٹ پڑنے کا منتظر، وقاص کی کہی ہوئی بات وہ بھولی نہ تھیں!

ظہیر صاحب نے بلند آواز میں نانی سے کہا۔ "کیا گھر میں کوئی خاص بات ہو گئی ہے کہ میں آپ کو بھی کچھ خفا اور ناراض دیکھ رہا ہوں۔ بچہ خاموش اور اداس یہ بھی ہے۔ آخر ہوا کیا ہے جس کا مجھے علم نہیں؟"

"بچہ مرادوں بیٹی کو تو تم جہنم میں جھونکو!" وہ خاص بگڑی ہوئی تھیں "میری ناراضی کیا ہوئی خفگی، یہ بتاؤ یہ جو تم نے اپنے چھوٹے بھائی کی نسبت کہا تھا سو وہ مجھے اتنا برا لگا تھا کہ جیسے ایک تیر سا کلیجہ میں ترازو کر دیا۔"

وقاص نے خطرے کی گھنٹی بجتے سن لی تھی۔ بس وہ اٹھا اور اس سے پہلے کہ اس کی کھنچائی کی نوبت آتی۔ کرسی سے اچھل کر بھاگ گیا!

ظہیر صاحب حیران رہ گئے! "میں نہیں سمجھا کس کی نسبت میں نے کچھ کہا ہے۔" بڑی بی نے ان کا کہا تو سنا نہیں اپنی کہے گئیں۔" وہ وقت میں

بھولی تھوڑی ہوں جب یہاں مرحوم نے بچے کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیکر
اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا تھا کہ میرے بعد اس نا سمجھ کو باپ بن کر
پالنا۔ میرا دلارا ہے۔ اس کا دل نہ دکھے۔ تم نے ایسا کیا بھی ہے۔ باپ نے
کم کیا تم نے زیادہ کیا مگر۔ میاں۔ انگلی کٹے کر اٹے پر یہ کہہ کر کیوں
پانی پھیر دیا کہ اس کی شادی کے بعد تم اسے ایک پیسہ نہیں دو گے۔ تمہاری
کمائی مفت کی نہیں ہے!"

ظہیر صاحب جو بہت کم ہنستے تھے بلکہ سرے سے ہنستے ہی نہ تھے۔ بڑی بی
کی باتیں سن کر بے ساختہ ہنس پڑے۔ بڑی بی انہیں حیرت سے دیکھنے
لگیں۔ ظہیر صاحب نے نفی میں سر ہلایا اور بلند آواز میں بولے۔

"میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس کی ایسی الل ٹپ باتوں کو
سچ کیوں سمجھ لیتی ہیں! وہ تو دن بھر مسخرہ پن کرتا پھرتا ہے۔ کیا آپ کو
یقین ہے کہ میں اس طرح کی کوئی بات کہہ سکتا ہوں؟"

"نہیں کہا تم نے؟" وہ اب کچھ جھینپی سی نظر آنے لگیں۔

"ہرگز نہیں!" ظہیر صاحب نے پھر ہنس کر کہا۔ "میں اور کماتا کس
کے لئے ہوں۔ بس انہی دونوں کے لئے تو۔ ورنہ مجھے اب کسی چیز کی ضرورت
نہیں۔ اس دنیا کی بھی نہیں۔ یہ دونوں مجھ سے وابستہ نہ ہوتے تو
آج کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ میں کہاں گیا میرا کیا انجام ہوا۔"

"آنے دو بدماش کو!" انہوں نے خفا ہو کر کہا۔ "مجھ پاگل کو اور
پاگل بناتا ہے۔ تمہیں بھی ساتھ میں لپیٹ لیتا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم
نے کہا ہے مفت کا کھا کھا کے وہ بیل ہوا جا رہا ہے۔ مجھے تو بہت
برا لگا تھا! کہاں کا بیل۔ پہلے بدن پر بوٹی چڑھی تھی۔ اب اس

طرف جانے کیا ہوا ہے کہ چپ چپ رہنے لگا ہے اور کچھ جھٹک گیا ہے۔
اللہ جانے کیا سوچتا رہتا ہے!"

"آپ ہی کی رائے مناسب ہے۔" وہ اٹھ کر ان کے پاس آبیٹھے تاکہ
چیخنا نہ پڑے۔"

"کسی دن اطمینان سے چچی جان کے ہاں جائیے اور انہیں مناسب
انداز میں یہ سمجھائیے کہ یہ مرنے جینے کی بعد کی رسمیں اتنی اہم اور ضروری
نہیں ہیں کہ کسی نیک کام میں خلل انداز ہوں۔ لہٰذا شادی کی ایک
تاریخ دے دیں۔ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس کا دل کچھ اچاٹ ہو گیا
ہے۔ آپ نے پوچھا نہیں! کیوں اداس رہتا ہے؟"

"کبھی مل بیٹھے تو پوچھوں بھی۔" بڑی بی بولیں پھر انہوں نے آنکھیں
گول کر کے نظریں ظہیر صاحب پر جما دیں۔ اب ان کی آواز میں لرزہ تھا۔
"میاں تم کہتے ہو کہ اس کی شادی ہو جائے تو وہ چاق ہو جائے مگر وہ
ایک دن مجھ سے کہہ رہا تھا کہ نانی میں یہ شادی نہ کروں گا! اور۔ اور۔
بکواس کرنے تھا کہ۔ اسے سلمیٰ بیٹا کو۔ بھیا سے بیاہ دیجئے۔"

"لاحول ولا قوۃ!" ظہیر صاحب نے کہا۔ "یہ اتنا شتر بے مہار
کیوں ہو گیا ہے۔ ایسی واہیات باتیں کیوں کرنے لگا ہے۔ اب
ہے کہاں؟"

"تمہارے ہی پاس سے تو اٹھ کر بھاگا ہے!" انہوں نے کہا۔
ظہیر صاحب کو خواہ مخواہ تنبیہہ کر دینے پر وہ ذرا شرمندہ ہو رہی تھیں۔
"معلوم نہیں!" انہوں نے کہا اور پھر یکبارگی خاموش ہو کر بجھا
حقہ سلگانے لگے۔ پھر انہوں نے ایک دو کش لئے اور بڑی بی کی

طرف مڑ کر پوچھا۔

"شادی کے بارے میں اس نے واقعی یہ کہا تھا کہ ابھی نہیں کروں گا!"

"کئی دفعہ۔"

"لیکن کیوں؟ آپ نے وجہ نہیں پوچھی؟"

"پوچھی تھی۔ کہتا تھا کہ جب تک روزگار سے نہیں لگوں گا! نہیں کروں گا! دو دو آدمیوں کا بھیا پر پڑ جانا اچھا نہیں لگتا!"

"نانی اماں کوئی اور وجہ ہے؟" ظہیر صاحب نے کہا۔

"تو بیٹا وہ مجھے معلوم نہیں!"

پھر ننھا جاگ اٹھا۔ بڑی بی اس کی طرف چلی گئیں۔ ظہیر صاحب بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے! ان کی نظر بڑی کھڑکی سے باہر گئی۔ ایک بے معنی سا تبسم ان کے ہونٹوں پر نمودار ہو گیا۔ کتنی عجیب بات تھی۔ انہوں نے اپنی پسندیدہ کرسی پر بیٹھ کر سوچا۔ انسان کے دل و دماغ کی دنیا اسی ایک تحلہ و جسم میں مقید ہیں۔ لیکن ان کی وسعت اور ظرف ان کی پہونچ اور رسائی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ وہ فلک الافلاک کی خبر بھی لاتے ہیں اور تحت الثریٰ کی بھی۔ ان کے معیار بھی عجیب ہیں اگر انسان کا دماغ فکر و پریشانی سے خالی ہے، ہلکا پھلکا ہے۔ تب تو وہ اپنی حد تک بے فکر ایک شہنشاہ ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا کے سارے نظارے چاہے وہ گورستانی ہوں کہ چمنستان کا منظر پیش کرتے ہوں اسے بیحد بھلے لگتے ہیں۔ وہ ایک آزاد طائر کی طرح افق تا افق پرواز کرنے کی امنگ رکھتا ہے اس جہان آرزو میں کچھ دیر اور جی لینے کی تمنا اسے بیتاب و بیقرار رکھتی ہے۔ وہ اپنی اس کیفیت کے دوران

بڑے سے بڑے دشمن اور بدخواہ کو بھی معاف کرنے کا ظرف وہ رکھتا ہے اور مخالف کی خوشی کی خاطر دنیا بھر کا ایثار کر سکتا ہے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر دنیا جہنم ہے۔ اس کے حسین سے حسین نظارے بے کیف، مردہ اور بے جان لگتے ہیں! انسان ہر آن، اپنی حیات بے ثبات کے رنج دینے پر کمر بستہ رہتا ہے اور رنج بھی دیتا ہے وہ کسی کا قصور معاف نہیں کر سکتا! اور اس کے دل و دماغ کو نہ معلوم کیسے کیسے اعراض دبر زنج سے گزارتی ہے۔ جس کا ادراک اسے خود بھی نہیں ہوتا وہ بوجھ جو اس کی روح کو کچلے ڈالتا ہے۔ وہ غم جو اس کی ہستی کی بنیاد کو کھوکھلا کرتا رہتا ہے وہ اس سے نجات نہیں حاصل کر سکتا اور پھر یہ کائنات اس کی گہماگہمی، حیات کی جولانی و سرمستی، زندگی کی تمام رعنائیاں، دوسروں کی خوشیاں، ان کے عمیق و مخلص تبسم۔ سب اسے ایک بے معنی جلد اختتام کو پہنچ جانے والے کھیل معلوم ہوتے ہیں!

کیا یہی کیفیت اسی دو زندگی سے عبارت نہیں؟ ایک آدھ پہر کہ انہوں نے اپنی زندگی کے بارے میں سوچا۔ خیالات کا ایک سلسلہ سا تھا جو زنجیر در زنجیر آپس میں جانے کہاں سے کہاں تک جڑتا چلا جا رہا تھا! یادوں کا ایک کارواں تھا جس کی ابتدا تو تھی مگر انتہا نہ معلوم! اس بے کیف، پھیکی، بے رنگ، بے مصرف زندگی نے سوائے دکھوں، تلخیوں، رنج و فکر اور صدموں کے اور انہیں کیا دیا تھا۔ خدا نے کوئی چیز بھی بے مصرف اور بیکار نہیں بنائی تھی۔ گھاس کی ایک پتی، ایک بے حقیقت تنکا تک بیکار نہیں۔ اس کی حقیقت اس کے فائدے خالق ہی کو معلوم ہوتے ہیں۔ مگر بعض چیزیں، بعض زندگیاں یونہی دنیا میں

آجاتی ہیں۔ گھور ے کچرے کا ڈرم بن کر۔ دنیا بھر کے غم، مصائب، پریشانیاں اور صدمے ان میں پڑتے رہتے ہیں۔ انہیں لبالب بھر دیتے ہیں اور ایک دن ایسا ضرور آتا ہے جب چار کندھے اس منہ تک بھرے ڈرم کو کسی تاریک، سرد اور گہرے کھڈ میں پھینک کر کسی اور کیلئے جگہ خالی کر دیتے ہیں!

ان کی زندگی میں گلستان مسرت سے ایک جھونکا ضرور آیا تھا اور اپنی ساری عنبریں لطافتیں، تمام عطر بیزیاں ایک ہی دفعہ میں ان پر نچھاور کر کے نجانے کدھر نکل گیا تھا کہ اب دور دور تک خوشی کی مہک کا ہلکا سا شائبہ تک نہ تھا!

وہی روز و شب، وہی بندھا ٹکا کاروبار حیات، وہی بے کیفی اور بے لطفی۔ اگر دل ان اداسیوں کا عادی نہ ہوتا تو پھر تاکی دیوانگی بس دو چار قدم ہی تو تھی۔

لیکن اب۔ جانے زندگی کہاں تک باقی تھی۔ حیات بے ثبات کا بدرنگ، شکستہ خیمہ ان دیکھے ہاتھوں نے کھینچ کر بہت کچھ ماضی کے غار میں پھینک دیا تھا لیکن آگے اس خیمے کی طوالت اور شکستگی کا عالم کیا تھا وہ کتنا اور باقی رہ گیا تھا۔ جیسے مستقبل برابر آگے سرکا تا جا رہا تھا معلوم نہیں! اب۔ انھوں نے ایک گہری سانس لی۔ سگار کھڑکی کی منڈیر پر رکھ دیا اور کرسی کی پشت گاہ پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں!

دفعتہً کسی نے کال بل بجائی! اور ملازم لڑکا دو ہی منٹ بعد آ کر زیر لب گنگنانے لگا: "صاحب۔ وہ آفت میاں آ گئے ہیں!

کیا کہوں ان سے؟ آپ گھر پر نہیں ہیں۔"
ظہیر صاحب سیدھے ہو بیٹھے اور سنجیدگی سے بولے "سنو۔ انہیں آفاق میاں کہا کرو اور کبھی اس طرح کا جھوٹ نہ بولو کہ میں گھر پر نہیں ہوں جاؤ انہیں یہاں لے آؤ!"

"اچھا صاحب!"

ظہیر صاحب نے اٹھ کر کمرے اور راہداری کی بجلی جلائی۔ اندرونی میز پر سے سگار کا ڈبہ اور لائٹر اٹھایا اور پھر برآمدے میں آبیٹھے ملازم لڑکا آفاق صاحب کو پہونچا گیا۔

آفاق صاحب تقریباً ظہیر صاحب ہی کے ہم عمر تھے مگر بے حد زندہ دل، مجلس پسند آدمی، انہیں اداس رہنا آتا ہی نہ تھا، مزاجوں کے ایک نمایاں تضاد کے باوجود دونوں میں خاصی گہری دوستی تھی!

آفاق صاحب برس پڑے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ بس مانجھے ہی بیٹھ گئے ہو میں تو سمجھا تھا کہ میری تقدیم کے لئے نیچے آؤ گے کیونکہ میں بھی تو اتنے دنوں بعد آیا ہوں۔ مگر تم سے اتنی مروت کی توقع بیکار ہی ہے۔ اکل کھرے بہت ہو۔"

"میں تو تمہاری خاطر تواضع کے لئے یہیں انتظام کرنے میں مصروف تھا!" ظہیر صاحب نے کہا۔ "تو پھر کہاں ہیں کافی اور لوازمات کی لبریز کشتیاں؟"

"یہ کیا رکھا ہے سگار کا ڈبہ!" بے حد مہمان نواز بن کر ظہیر صاحب بولے۔

"جی بس" آفاق صاحب نے سگار اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپکا شکریہ۔

میں رات کا کھانا کھا کر جاؤں گا! کیا پکوایا ہے؟"

"میں تو جانتا ہی نہیں کیا پکتا ہے کون پکاتا ہے۔ جو کچھ میز پر آتا ہے کھا لیتا ہوں تم کہو کیا کھانا چاہتے ہو۔ نائی سے کہہ کے پکوا دوں گا!"

آفاق صاحب نے آرام کرسی پہ لیٹ کے سامنے تپائی پہ پاؤں پھیلا دیئے اور پھر برا سا منہ بنا کر بولے "یہ جو تم چھوٹے بچے کی طرح نانی کہتے ہو تو مجھے سخت غصہ آجاتا ہے۔ آخر کب تک نانیوں دادیوں کی آغوش شفقت میں منہ چھپایا کرو گے! سوچا کیا ہے؟"

"عجیب باتیں کرتے ہو آفاق!" ظہیر صاحب نے کہا۔ "وہ اماں کی کھلائی ہیں۔ ہمارے لئے قابل احترام۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ قابل احترام نہیں ہیں لیکن ان کا احترام اور ان کی بزرگی اس قابل ہو چکی ہے اب انہیں وظیفہ پر سبکدوش کرکے آرام کرنے دیا جائے۔ تم اپنے لئے کوئی اور محبت بھری آغوش کا انتظام کرو!" آفاق صاحب بولے۔ "سچ کہتا ہوں کہ تمہاری اس بیراگی زندگی سے مجھے بے حد دکھ ہوتا ہے۔ پھر پوچھتا ہوں کہ آخر سوچا کیا ہے۔"

"کیا سوچنا ہے!" ظہیر صاحب جھنجھلا گئے۔ "میری زندگی کا پورا پروگرام بندھا ٹکا ہے۔ اب اس میں کسی سوچ کی گنجائش نہیں! میرے سامنے وقاص اور رشید کے مستقبل ہیں۔ وقاص کہہ رہا ہے کہ باہر جائے گا! اب تم غور کرو کہ باہر جا کے واپس آنے اور پھر یہاں اس کی پوزیشن کے مطابق کوئی جاب تلاش کرنے میں وقت لگے گا کہ نہیں اس کی ذمہ داری بھی تو میری ہی ہے اور میرا بچہ رشید ابھی صرف دو سال کا ہے۔ اس کی ساری

زندگی کا انحصار مجھ پر ہے تم ہی بتاؤ کہ اگر میں نے خدانخواستہ دوسری آغوش شفقت تلاش کر لی تو پھر ان معصوموں کا کیا ہوگا جو میری آغوش شفقت کے محتاج ہیں!"

آفاق صاحب آنکھیں نیم وا کئے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے لبوں پر تبسم کھیل رہا تھا! پھر ظہیر صاحب کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا "یہ جتنی تاویلیں اور استدلال جناب نے پیش کئے ہیں وہ محض تکو اس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ــــ!"

میری منطقی دلائل کو تم محض تکو اس کی حیثیت دیتے ہو" ظہیر صاحب نے احتجاج کیا۔

"بالکل!" آفاق صاحب سیدھے ہو بیٹھے اور انہیں گھور کے بولے "منطقی اور بنیادی دلائل تو وہ ہوں گے جو میں اب تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں! میری ایک ایک دلیل پر ایمانداری سے صاد کرتے جانا!"

"مگر بھائی یہ بحث تم نے چھیڑی کیوں ہے!" ظہیر صاحب بور ہونے لگے "بہت پرانی بحث ہے اب اس میں جان نہیں رہ گئی تم تو اپنے آنے کی غرض و غائیت بتاؤ! کیوں نازل ہوئے ہو! میں یونہی بڑا بیزار ہو رہا تھا!"

"تمہاری وجہ سے بیزاری ختم نہیں ہوگی؟"

"بڑھ گئی!"

"خیر تو اپنی تشریف آوری کی غرض و غائیت واضح کر کے چل دوں گا!" آفاق صاحب نے کہا۔ پھر بجھا ہوا سگار دانتوں سے کے

کنارے رکھ کر رومال سے ہونٹ صاف کئے اور بولے:" وہ کچھ یہ گڑبڑ ہوئی ہے بھائی کہ اب کی سال دوم کے پریکٹیکل جوابی بیاض میں اپنی مریم نے معلوم نہیں کیا گھپلا کیا ہے۔ بہت پریشان ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ جا کے کسی طرح ظہیر صاحب سے کہئیے کہ وہ کوئی تدبیر کریں! اسے معلوم ہوا ہے کہ سکسینہ صاحب تمہارے ساتھ کام کرتے ہیں اور اب کی ساری کاپیاں انہی کے پاس گئی ہیں!"

"سکسینہ صاحب تو میرے بہت پرانے واقف کار ہیں! لیکن تفصیل سے بتاؤ کون سے پرچے میں کیا چیز ایسی رہ گئی ہے کہ ــ"

"اب یہ تو میں نہیں جانتا!"

"تو پھر ـــ؟"

"کہو تو مریم کو بھیج دوں۔ اس سے ساری تفصیل معلوم کر لینا۔"

"ٹھیک ہے۔" ظہیر صاحب نے ایک ادھوری سانس لے کر کہا۔ "ثروت کی زندگی میں وہ اکثر آتی بھی رہی ہے۔ ثروت اور وہ غالباً ایک ہی کالج کی طالبات تھیں!"

"کل اتوار ہے۔ میں اسے بھیج دوں گا۔ تم تو گھر پر رہو گے نا!"

"ہاں چھٹی کے دن میں عموماً کہیں نہیں جاتا!"

آفاق صاحب اٹھنے لگے۔ "تو پھر چلتا ہوں۔ ہو سکا تو کل آنے کی کوشش کروں گا!"

"کل آؤ چاہے نہ آؤ!" ظہیر صاحب خود اٹھے اور آفاق صاحب کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے انہیں کرسی میں واپس بٹھاتے ہوئے بولے۔ "لیکن اس وقت کھانا کھا کے جاؤ۔ بقول نانی اماں کے۔ میری ہانڈیوں میں

دم پڑا رہے گا تو وہ کھانا دوسروں کو کیا خاک ہضم ہوگا! ٹھہرو معلوم کرتا ہوں کیا پکایا ہے۔" آفاقی صاحب نے ہنس کر پھر ایک سگار سلگایا! ظہیر صاحب اندر چلے گئے! ۔

کھانے کے وقت تک وقاص بھی آگیا! خانساماں کو ہدایت دے کر کہ وہ طعام خانہ میں کھانا پہونچا دے۔ ظہیر صاحب اپنے دوست کو لے کر چلے گئے! ۔

ایسے گھروں میں جہاں عملداری صرف مردوں ہی کی ہو۔ ناشتے کھانے کی میزوں کی جلد گلو خلاصی نہیں ہوتی۔ وہاں بات میں بات نکلتی ہے۔ اور وقت گزرتا چلا جاتا ہے یہ کلیہ قطعی غلط ہے کہ باتونی اور بکواسی صرف خواتین ہی ہوتی ہیں! اگر مردوں کو فرصت ہو اور بے فکری ہو تو باتوں اور ادھر ادھر کی بکواس کا سلسلہ وہاں کبھی ختم نہیں ہوتا! ۔ بے موضوع باتیں ہوتی ہیں اور خوب ہوتی ہیں! چنانچہ ظہیر صاحب کے ہاں بھی کارخانہ مردوں ہی کا تھا! اس لئے رات کے کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ پھر سگار بھی نکلے گئے اور گفتگو کا سلسلہ چل نکلا! آفاقی صاحب نے وقاص سے پوچھا۔

"میں تو بھول ہی گیا کہ تم ان دنوں کیا کر رہے ہو؟"

"جی تعلیم تو سمجھئے کہ ختم ہو چکی۔ اسی سال ایم۔ ایس سی کا امتحان دیا ہے۔ ابھی رزلٹ نہیں معلوم ہوا!" وقاص بولا!" ویسے امید تو ہے کہ

اچھی پوزیشن سے پاس ہو جاؤں گا پھر میرا ارادہ جرمنی جانے کا ہے۔
پھر جو بھیا کی مرضی!"

"خدا کرے کہ تم امتیازی حیثیت سے پاس ہو جاؤ!" آفاق صاحب
نے کہا۔ "خدا تمہارا ارادہ بھی پورا کرا دے۔ میں تو بھئی۔ دعا تو خیر دے ہی
رہا ہوں۔ مگر میں پوچھتا ہوں میاں کہ کیا بس پڑھتے ہی چلے جاؤ گے؟"

"کیا پڑھنا ہو تو میں بتاؤں سی تعلیم ہے۔" وہ قاصی بولا "آج کل
پڑھ جاتے ہیں اور ڈگری کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ میرا جی چاہتا ہے
کہ میں باہر جا کے لیب ورک کی کوئی بڑی ڈگری لاؤں! اب آپ ذرا
بھیا سے سفارش فرما دیجئے کہ مجھے جانے دیں!"

"کیا سفارش فرماؤں!" آفاق صاحب نے کہا۔ "بھیا کی ایک
خاص عادت ہے کہ وہ کسی کی ایک کیا آدھی بھی نہیں سنتے! ابھی اپنی
بکواس سے میرے سر میں درد کر دیا تھا میں نے جواب میں کچھ عرض
کرنا چاہا تھا لیکن اپنی باری پر انہوں نے مجھے کچھ کہنے سے روک دیا
اور اپنی سماعت محفوظ کر لی!"

"کیوں بھیا" آپ نے کیوں نہ سنا کہ بھائی صاحب کیا کہنے والے تھے؟"

"اب اگر تم اور تمہارے بھائی صاحب مل کر
ایک محاذ تیار کرنا چاہتے ہو تو۔ مجھے اجازت دو!" ظہیر صاحب نے
کہا۔ "وہ موضوع جو گھستے گھستے بدرنگ ہو چکا ہے۔ اب میرے لئے
دلچسپ نہیں رہ گیا۔ بار بار کی سنی ہوئی باتوں کو کیا سنوں؟"

آفاق صاحب کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ انہوں نے کہا "لیکن میں
جو کچھ کہنے والا تھا وہ غیر دلچسپ اور بے رنگ نہیں ہے منو ظہیر۔

میرے خیالات جو رہ رہ کے تمہاری طرف جا رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ ہے۔ آج تک میں نے شاید کبھی تم سے تمہاری ذاتی اور نجی زندگی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی! میں جانتا ہوں تمہیں ثروت سے کتنی محبت تھی۔ اور اب اپنے بچے اور بچوں سے کتنی محبت ہے۔ تم ان کے لئے خون پسینہ ایک کرتے ہو۔ ان کی فلاح و بہبود ہر لمحہ تمہارے پیش نظر رہتی ہے ان کی راحت و آرام کے لئے تم کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔

وہ ذرا ٹھہرے پھر بولے ——— "دوسرے تم ہر وقت یہی سوچتے رہتے ہو کہ ان کے مستقبل کے لئے تم اچھے سے اچھا انتظام کر سکتے ہو۔ یہ سب کچھ میں اچھی طرح جانتا ہوں میرے دوست۔ مگر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا روپیہ پیسہ بھی کسی کے عیش و آرام کا ضامن بن سکتا ہے؟ غالباً نہیں۔ قلبی اور روحانی سکون جسے کہتے ہیں وہ دولت کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ آدمی کو روحانی اور جسمانی آرام و سکون نہ ملے۔"

وقاص بڑی عقیدت سے انہیں تک رہا تھا مگر ظہیر صاحب کے سنجیدہ چہرے پر مزید سنجیدگی طاری ہو گئی تھی! اس کی پرواہ کئے بغیر آفاق صاحب کہنے لگے!

"تم صرف روپے پیسے کو ہی سب کا آرام تصور کرنا چاہتے ہو بھائی۔ یہ ایک حد تک ہے۔ تم سخت قسم کی الجھن میں پڑے ہو۔ فرض کرو۔ فرض کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"فرض کیا کہ —؟" ظہیر صاحب یہ کہہ کر مسکرائے۔

"اگر روز و فردا میں وقاص باہر چلا جائے گا۔" آفاق صاحب بولتے رہے۔ "اور پھر معلوم نہیں کہ وہاں کا قیام کتنی طوالت اختیار کرتا ہے۔ تمہاری نانی اماں

ضعیف ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بینسٹھ سے تو اوپر ہی ہیں۔ خدانخواستہ وہ
نہ رہیں تو پھر۔ سوچا ہے اس تکلیف دہ صورت حال کے بارے میں۔ پھر رشید کا
کیسا ہوگا؟ اس کی دیکھ بھال کیسے ہوگی؟ تم تو باہر رہتے ہو۔ کون اس کی
خبر گیری کرے گا! ابھی بے چارہ ننھا سا ہے۔ دو سال کا۔ اس کی ضروریات
محدود ہیں! آگے بڑھ کر وہ اسکول جائے گا! اس کے ساتھی ہوں گے۔ اس کی
ضرورتیں بھی بڑھیں گی تب۔ کون اس کی خدمت کرے گا؟ میرے عزیز
دوست! اگر تم قائل نہیں ہوتے تو نہ سہی لیکن سچ مانو کہ اس گھر کے لیے
رشید کے لئے ایک ہمدرد، مخلص، پرمحبت ہستی کی بے حد ضرورت ہے۔
اور وہ اس کی ماں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا! تم بھی نہیں۔ کوئی نہیں! "

ظہیر صاحب نے سگار کی راکھ خاکدان میں جھٹکائی اور بے پروائی سے
بولے "تصویر کا دوسرا رخ بھیانک اور پریشان کن ہو سکتا ہے۔ آفاق
صاحب۔ لیکن کیا یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اسی رخ کو دیکھ دیکھ کر دل مکدر
کیا کریں یسقہ! تمہاری طرح میں بھی سوچ چکا ہوں لیکن ہر سوچ کا جمع
جوڑ بس یہی نکلتا ہے کہ وہ ہستی جسے تم نے ابھی ہمدرد، پرمحبت اور مخلص
کہا ہے۔ بے درد، ظالم، سنگدل بھی ہو سکتی ہے۔ تب کیا میرا رہا سہا سکھ
بھی ایک مستقل دکھ اور زہر میں نہ بدل جائے گا! تب کیا ہوگا! تم کوئی ضمانت
نہیں دے سکتے کہ وہ عورت جو رشید کی ماں بن کر آئے گی، ماں کے جذبات
اپنے ساتھ لیکے آئے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ میری پرسکون زندگی میں زہر گھل جائے!
یہ کارخانہ جس طرح چل رہا ہے۔ اسے چلنے دو۔ ابھی دفاص باہر نہیں
جا رہا۔ ابھی نانی اماں بھی زندہ ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب کوئی انقلاب اس
گھر میں رونما بھی ہوگا۔ تب تک رشید اتنا سمجھدار تو ہو ہی جائے گا کہ

جو کچھ میں اسے سمجھاؤں گا! وہ سمجھ لے گا!"

"کیا تم اسے ماں کی سی نعمت سے ہمیشہ محروم ہی رکھو گے!" آفاق صاحب نے پوچھا۔

"وہ محروم ہو چکا ہے۔ بھائی" ایک تاریک بادل سا ظہیر صاحب کے چہرے پر چھا گیا۔ "یوں اس کی سینکڑوں مائیں آ جائیں۔ کیا اسے حقیقی ماں کی سی محبت مل سکتی ہے؟"

"اب تم تصویر کا صرف ایک پہلو کیوں دیکھ رہے ہو؟" آفاق صاحب نے کہا

"اس تصویر کا حسین پہلو میں نے کہیں نہیں دیکھا!" ظہیر صاحب نے کہا۔

"اب سنو وہ وجہ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا۔" آفاق صاحب زیادہ سنجیدہ ہو گئے۔ "شاید تم میرے ہم محلہ شیخ صاحب کو جانتے ہو۔ ان بے چاروں کی بھی یہی حالت تھی۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا اپنے لڑکے کی خاطر انہوں نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ ہوا یہ کہ پچھلے سال وہ لڑکا باپ سے لڑ جھگڑ کے گھر سے چلا گیا۔

"کہاں چلا گیا؟" دونوں بھائیوں کے منہ سے نکلا۔

"معلوم نہیں۔" آفاق صاحب نے چھوٹی سی سانس لے کر کہا۔ "ہر جگہ غریب نے تلاش کیا مگر۔"

"آپ نے تو ڈرا دیا بھائی صاحب!" وزاہد ہی بولا۔

ظہیر صاحب نے جلدی سے کہا۔ "ضروری تو نہیں ہے کہ سبھی کے ساتھ ایسے حالات پیش آتے رہیں۔ اگر کوئی لڑکا شریف اور سمجھدار ہو تو شاید وہ باپ کی تمام قربانیوں اور ایثار کو یکقلم نظر انداز کر کے گھر سے نہ بھاگے! میں اس بات کو نہیں مان سکتا کہ ___!"

ان کی بات رہ گئی۔ دروازہ کھول کر نانی اماں اندر آئیں۔ گود میں نشید کو لیے رکھا تھا اور ان کی کمر زیادہ جھکی جارہی تھی! سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے! ایک ناگوار بحث سے نجات ملنے پر ظہیر صاحب نے سکون کی سانس لی!۔

" بڑی دیر ہو گئی، سب کو کھانے کے ... بیٹھے بیٹھے!"
انہوں نے تشویش سے کہا۔" ارے میاں۔ باہر چل کے برآمدے میں بیٹھو۔ ابھی ٹھنڈی ہوا آرہی ہے۔"

" اماں آپ کے مگر سے صاحب سے کچھ باتیں کر رہا تھا!" نانی کی کمزوری بھول کر آفاق صاحب نے کہا" لیکن ان کے کان پر جوں نہیں رینگی!"
وہ خواہ مخواہ ہنس دیں۔" اتنی جلدی کیا خاک مزے کا پکا ہوگا! کہہ رہا ظہیر میاں نے کہ ... پکا دیجیے۔ میں نے اس میں گلاوٹ تو لگائی تھی مگر دھیرے کا لگا تھا کہ ذرا نکیں ... کچی ہی نہ رہ گئی ہوں۔ گل گئی تھیں؟" انہوں نے تعریف سننے کی خاطر پوچھا۔ آفاق صاحب نے زمین کا کیا کر آسمان کی لگائی تھی۔ ایک منٹ چپ چاپ ان کے منہ کو تکتے رہے پھر یکبارگی ہنس پڑے۔ پھر کچھ زور سے بولے۔

" نانی اماں، آپ کی پکائی ہوئی مرغی اور مرغ بہت زوردار تھا۔ پیٹ بھر گیا مگر نیت نہیں بھری۔ آپ تھوڑا تھوڑا سب کچھ الگ سے باندھ کے ساتھ کر دیجیے۔ صبح کو ناشتے میں کھاؤں گا!"
وہ زیادہ فراخدلی سے ہنسیں۔ یہ لوگ کچھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ وقاص نے نشید کو گود میں لے لیا۔ رخشندہ ٹہل ٹہل کر اسے سلاتا تھا۔ اسے بھی اسی کی عادت پڑ گئی تھی۔ نانی میں اتنا دم کہاں تھا کہ وہ اسے کندھے سے

لگا کر ٹہلنیں۔ جاتے جاتے بولیں۔

"ہاں اب باہر آؤ۔ لڑکا بھی نگوڑا اونگھ رہا ہے۔ میز دیز صاف کر کے کھانا کھائے۔"

چلتے ہوئے آفاق صاحب نے پوچھا: "تو پھر میں کل مریم کو بھیجدوں یا تم آ کے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟ اسے بے حد جلدی ہے۔"

"پہلے مریم کو بھیجدو!" ظہیر صاحب نے کہا: "میں ان سے تفصیلات تو پوچھ لوں۔ اگر کوئی رسمی سی بات ہوتی تو میں ہی سکینہ صاحب سے کہدوں گا مریم کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تو وہ کب آئے؟"

"جب جی چاہے۔ کل چھٹی ہے۔ میں کہیں آتا جاتا نہیں!"

"اچھا تو پھر چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔"

"فی امان اللہ!"

رخصتی مصافحہ کے بعد آفاق صاحب نے باہر کی، ظہیر صاحب نے اپنے کمرے کی اور وقاص نے برآمدے کی راہ لی! اس وقت یوں لگتا تھا کہ جیسے تینوں کے دل و دماغ بوجھل ہوں۔ ایک عجیب سے کرب کی کیفیت اس نے ظہیر صاحب کے چہرے پر دیکھی تھی اور بے حد دکھی ہوا تھا۔ کیا آفاق صاحب کی باتوں نے ان کے پرسکون جذبات میں ہلچل مچادی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ظہیر صاحب کو کوئی کچھ سوچنے پر مجبور کر دے! وہ ان سے غائبانہ درجہ محبت کرتا تھا۔ ان کی بے سکونی، اضطراب اور بے چینی اسے بھی مضطرب و بیقرار کر دیتی تھی!

نشید اس کے کندھے پر سر رکھے سو رہا تھا لیکن وقاص کچھ اتنا

بے خبر تھا کہ اسے اس کے سو جانے کی خبر بھی نہ ہوئی! نانی اماں نے آ کے اسے چونکا دیا۔

"سو چکا ہے۔ بستر پر لٹا دو اور تم بھی چل کے سو رہو۔" وہ بولیں پھر اس کے پیچھے جاتے جاتے زیرِ لب بڑبڑاتی رہیں۔ "مجھ نصیبوں پیٹی کا مقدر اب یہی رہ گیا ہے۔ اُدھر انہیں اِدھر تمہیں دیکھ دیکھ کے جلا کڑھا کروں معلوم نہیں اپنا کیا حشر کریں گے۔ اب دیکھو افضل سے کافی کی فرمائش کر کے گئے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں۔ یہ بار بار کی کافی کیا رنگ دکھائے گی! ابھی دو پیالی تو پی چکے ہیں!"

کمرے میں پہنچ کے وقاص — نے بچے کو بستر پر آرام سے لٹا دیا اور اس پر ہلکا کمبل اڑھا کر بڑی بی کی طرف مڑا۔ وہ خاصی بگڑی ہوئی تھیں۔

"صرف کافی نہیں۔" وہ ان کے کان کے پاس جھک کر بولا۔ "اس کے بعد سگار، مطلب یہ کہ کلیجے کے سلگنے کے ڈبل سامان ہیں!"

"میں تو میاں سر پیٹ لوں گی!" نانی نے سچ مچ اپنی پیشانی پر پٹ سے تھپڑ مار کر کہا۔ "میری وہ ایک نہیں سنتے! بتاؤ کیا کروں!"

ابھی دو گھنٹے تک آفاق بھائی نے انہیں خوب سمجھایا تھا!" وقاص نے انہیں زیادہ بھڑکایا۔

"نہیں سمجھے نا؟"

"نہیں!"

"وہ کیا سمجھیں گے۔" خفا ہو کر وہ بولیں۔ "اپنا حشر برا سوچ رکھا ہے اور کیا۔ دیکھ لینا۔ دو ریار مریں گی۔ یہ موئے سگار اور وہ کڑوی نیم

نگوڑی کا فی کچھ نہ کچھ آفت ڈھا کے ہی رہیں گی۔ کیا سمجھایا تھا آفاق میاں نے؟
"یہی کہ اب آپ سے زیادہ محنت نہ ہیں۔ شادی کریں تاکہ وہ محترمہ آکے گھر گرہستی سنبھالیں۔ بچے کی دیکھ بھال کریں اور آپ کو وظیفے پر سبکدوش کر دیں۔"
"کیا کہا پھر؟" ساری یوسف زلیخا سنکر نانی نے پھر اپنا سوال دوہرایا۔
"پھر انہوں نے کہا کہ ابھی نانی کو وظیفہ دینے کا وقت نہیں آیا۔" وقاص نے ہوائی چھوڑی۔ دنیا کی ہر خاتون کی طرح نانی بھی اپنی عمر کے بارے میں بہت حساس تھیں۔ یہ سننا اور سمجھنا پسند نہیں کرتی تھیں کہ کوئی انہیں چالیس سے ایک منٹ اوپر سمجھے چنانچہ وقاص پوری سنجیدگی سے بولا۔" انہوں نے کہا تھا کہ ابھی نانی بالکل ٹھاٹھی کر دی ہیں، مضبوط ہیں، ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے۔ گرہستی بخوبی چلا رہی ہیں لہٰذا انہیں بوڑھوں کی طرح ایک کونے میں نہیں بٹھایا جا سکتا۔ اور جب تک وہ کونے میں بیٹھنے کے قابل نہ ہو جائیں گی۔ دوسری کوئی عورت گرہستی نہیں سنبھالے گی!"
"ہاں اور کیا" دل ہی دل میں نوجوان لڑکی کی سی چستی محسوس کر کے اور بظاہر بگڑ کر انہوں نے کہا۔ "بڑھیا ابھی ایک طرف بٹھا لنے کے قابل نہیں ہوئی۔ تبھی تو کد کڑے لگاتی پھرتی ہے۔ یہ کہو کہ تیرا میرا بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ مولیٰ ہی رحم کرے اس گھر کا آخر ہو گا کیا؟" وہ بچے کے پاس جا کے لیٹ گئیں، وقاص نے بجلی بجھائی۔ نائٹ بلب آن کیا پھر پردہ برابر کر کے باہر آ گیا۔

اپنے کمرے میں جانے سے پہلے اس نے چپکے سے برآمدے میں جھانکا۔ اب پھوار بند ہو چکی تھی۔ روئی کے گالے کے سے ہلکے ہلکے بادلوں میں چاند آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ بھیگے بھیگے سے تارے رہ رہ کے ابر کے

نقاب سے جھانکتے اور پھر چھپ جاتے! نم ہواؤں نے کچھ خنکی سی پیدا
کر دی تھی! وقاص نے دیکھا ظہیر صاحب اپنی لانگ چیئر پر نیم دراز تھے۔
انہوں نے سامنے تپائی پر پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ اور ہاتھ میں بجھا ہوا سگار
دبا تھا!۔

دفعتہً وقاص غیر ارادی طور پر کھانسا ظہیر صاحب نے پوچھا۔
"کافی لائے ہو؟"
"جی نہیں ہو...!" وہ دل ہی دل میں جھنجھلا گیا۔ ہر وقت، کافی کافی۔
وہ تو مشکل سے پی پاتا تھا، کیا بلا ہے یہ آخر کس طرح پیتے ہیں!
"کیوں، تم سوئے نہیں۔ کیا وقت ہوا ہے؟"
وقاص نے بتایا "ساڑھے گیارہ ہو رہے ہیں!"
"میاں تو پھر جاؤ سو جاؤ نا!"
"اور آپ؟"
"کمرے میں تو حبس ہو رہا ہے میں یہاں بیٹھوں گا کچھ دیر اور!"
"کمرے میں پنکھا چلا لیجئے نا بھیا۔ آپ اتنی اتنی دیر تک کیوں جاگا
کرتے ہیں!" وہ ڈھیٹ بن کے پاس آ بیٹھا۔
"خود سے نہیں جاگتا!" عجیب سے معصوم لہجے میں انہوں نے
جواب دیا "میں تو چاہتا ہوں کہ سو جاؤں۔ ایک گہری نیند۔ مگر مجھے
نیند ہی نہیں آتی۔"
"یہی تو اچھی نانی اماں کہا کرتی تھیں" وقاص نے کہا "آپ نے
حد سے زیادہ کافی پی کے اور سگار پھونک کے دماغ خشک کر لیا ہے
اسی لئے نیند بھاگ گئی بھیا۔ میں آپ کے سر میں تیل لگا دوں...!"

اس کی مامتا پھڑک اٹھی۔ "شاید نیند آجائے!"

انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور وقاص گڑبڑا گیا۔ کیسی تمنور، کتنی گہری اور کتنی خوشنما آنکھیں تھیں۔ حیرت و تبسم کے امتزاج نے ان آنکھوں کو نیا حسن بخش دیا تھا! اگر کوئی لڑکی ـــ وہ اپنی سوچ پر جھینپ گیا۔ پھر کھنکار کر بولا۔

"فضل میاں تو غالباً سو چکے تھے اونگھ رہے تھے۔ آپ کا دل چاہتا ہو تو میں بنا لاؤں کافی!"

"نہیں اب رہنے دو! وہ واقعی سچ کہتے ہیں۔ مجھے اتنی زیادہ کافی نہیں پینی چاہیئے۔ کم کرنے کی کوشش کروں گا! چلو چلیں۔ تم بھی اب سو رہو!"

"آج مجھے بھی نیند نہیں آرہی!"

"کیوں؟"

"اڑا دی۔ آفاق صاحب کی باتوں نے!"

"فضول باتیں ہیں۔ سنا کرو اور بھول جایا کرو!"

"بھیا وہ کہتے تو سچ ہیں! ہمارے مستقبل کی نقشہ کشی انہوں نے بالکل ٹھیک کی ہے۔ آپ ان کی باتوں کو فضول سمجھیں تو کیا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے!" وقاص بھی انہیں بور کرنے پر تل گیا۔ "ایک دن یہی سب کچھ سامنے آئے گا جو انہوں نے کہا ہے۔"

"یعنی ہم چلے جاؤ گے اور نانی اماں ختم ہو جائیں گی!"

وہ انہیں دیکھتا رہا۔ کچھ نہ بولا۔ ظہیر صاحب خفیف سا مسکرائے۔ پھر بولے۔ "لیکن کسی نے یہ نہیں سوچا کہ اس صورت حال کے برعکس

بھی کچھ ہو سکتا ہے!"

"کیا ہو سکتا ہے؟" وقاص کو غصہ آچلا تھا۔

"یہ ہو سکتا ہے کہ میں مر سکتا ہوں!"

"کیا؟" وہ یکبارگی دھک سے رہ گیا!

"ہٰذا۔ الٹے سیدھے قیاسات لگانا چھوڑ دو!" ظہیر صاحب نے کہا: "بے بنیاد باتیں کرنا بند کرو۔ کسی نے کسی کا مستقبل نہیں دیکھا۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کل کیا ہوگا؟ چنانچہ آئندہ کے لیے چوڑے پروگرام بنانے کی کوئی ضرورت نہیں! وقت جیسا آئے گا اس کا سامنا کرلیں گے! کسی کے ناگفتہ بہ حالات کو خود پر منطبق کرکے یہ سوچنا تو کچھ عقلمندی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کی نہ ہونے والی باتیں سوچیں اور دل و دماغ کمزور کریں! بس اب جاؤ اور سو رہو۔ میں بھی چلتا ہوں۔" وقاص بیٹھا رہا۔ وہ اٹھ کر چلے گئے!

پتھر سے پسینہ نچوڑنا ممکن نہیں ہے۔ وقاص نے سوچا۔ یہ کارخانہ یونہی چلتا رہے گا۔ بے رنگ و بوزندگی کی یہ بوجھل گاڑی یونہی حالات و ماحول کی دلدل میں دھنستی ابھرتی کچھوے کی چال سے آگے بڑھتی رہے گی! اس نے ایک ہلکی سی انگڑائی لی اور بھی نکھرے ستھرے آسمان پر چمکتے چاند پر نظر پڑی۔ ذہن کی لوح پر ایک چاند سا ابھرا اور وہیں جم گیا!

اتنے دن ہو چکے تھے لیکن ابھی تک وقاص اس چہرے کو بھول نہ سکا تھا۔ وہ موٹی موٹی سیاہ و دراز پلکوں سے آراستہ خوشنما آنکھیں۔ وہ گلابی گلابی بھرے بھرے رسیلے لب۔ موتیوں کی لڑی کے سے ہموار دانت۔ اور خوبصورت پرکشش سا جسم۔ وہ جو سفید لباس میں لپٹا

زیادہ حسین و مسحور کن ہو گیا تھا! کہاں گئی تھی وہ لڑکی۔ جیسے اچانک
ماحول سے ابھری تھی اور اچانک ماحول میں تحلیل ہو گئی تھی۔ سرِشام کے
دھندلکوں میں لپٹی وہ کوئی غیر ارضی مخلوق تو نہ تھی کہ پھر کہیں نظر نہ آئی
اگر ارضی ہوتی تو کہیں نہ کہیں تو دکھائی ہی دیتی۔ کہاں کہاں کے چکر وقاص
نے نہیں لگائے تھے! کچھ نہ ہوا۔ وہ صدف جس میں ایک موتی بند تھا۔
معلوم نہیں کس سمندر کی گہرائی میں جا بیٹھا تھا! اس کی یاد ابھی تک
اسے بیکل کر رہی تھی اس کا چہرہ ابھی تک اس کی نظروں میں جوں کا
توں جگمگا رہا تھا۔

ایک پہلو پر بیٹھے بیٹھے اس کی پسلیاں درد کرنے لگیں!۔ وہ اٹھا۔
چاند پر ایک الوداعی نظر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا!۔
سارے گھر پر ایک گہرا سناٹا مسلط تھا۔ اس کے دل پہ چوٹ پڑی۔

اتوار کا دن اس کے لئے بڑی بیزاری لے کر آتا تھا! یوں بھی ان دنوں
وہ کچھ اداس اور مضطرب سا رہتا تھا۔ پہلے تو یہ بھی تھا کہ سلمیٰ کے
ہاں جانے سے دل بہل جاتا تھا۔ کبھی وہ کوئی پروگرام بناتی کبھی زبردستی
دھکیلا اسے ادھر ادھر گھسیٹ لے جاتا! مگر اب سلمیٰ کے یہاں جانے کا
خیال اپنے ساتھ کئی الجھنیں لے کر آتا۔ اب سلمیٰ کا ہمہ گیر تبسم اس کی شیریں
آواز اور اس کی ہم نشینی بالکل پرکشش اور جذبات خیز نہ رہ گئی تھی!
تو پھر آج کا لمبا سا دن کیونکر گزرے گا! صبح کی نماز کے لئے اس نے

سر پر ٹوپی سنوارتے ہوئے سوچا اگر جھٹ سے رزلٹ بھی نکل جائے اور
ولایت باہر جانے کا سامان ہو جائے۔ بے حد خود غرض ہو کر اس نے
غصے سے سوچا۔

بے شک وہ چلا جائے گا پھر بھیا جانیں ان کا کام جانے جب وہ کسی
کی نہیں سنتے، تو پھر وہ بھی ان کی کیوں سنے؟ بس ایک بار وہ چلا
جائے پھر برسوں تک واپس نہ آئے گا۔ اور اگر آئے گا بھی تو اس شرط
پر کہ اس کا استقبال کرنے کے لئے اس کا بھائی گھر پر ہوں۔ ورنہ نہیں
یہ کڑی شرط بھیا کو پسیجنے پر ضرور مجبور کر دے گی۔ وہ مسکرایا۔ پھر جانماز
کا زاویہ درست کیا اور نیت باندھ لی!

ظہیر صاحب کے گھر کا طریقہ شروع ہی سے اسی طرح کا تھا۔ وہ
مذہبی قسم کے آدمی تھے۔ نماز روزوں کا ان کے ہاں بہت چرچا تھا۔
ان کی تاکید خاص کے لئے یہی تھی کہ حتی الامکان نماز پڑھائیے
وہ اس قدر لاابالی اور بے پروا تھا کہ انہیں غصہ دلا کر سخت سست
سننے کے لئے نمازیں ہضم کرتا! اور جمعہ کے سوا کبھی بھولے بھی مسجد کا
رخ نہیں کیا کرتا تھا!

فجر کے ساتھ ہی ظہیر صاحب کے ہاں صبح کی چہل پہل شروع ہو جاتی
سب سے پہلے تو ننھا فرشد ہی جاگ کر شور مچا دیتا۔ اس کے ساتھ
نانی اماں اٹھتیں اور پھر سویرے ہی ناشتے کی گڑبڑ شروع ہو جاتی۔
نماز پڑھ کر وہ باہر نکلا۔ عجیب سا بوجھ دل پر پڑا تھا۔ وہ صحن
میں ننھے کے ساتھ کھیلنے لگا! سامنے کرسی پر ایک پاؤں ٹیکے ظہیر صاحب
جھک جھک کر ٹوس ٹوسٹر میں سینک رہے تھے۔ ایک دفعہ سر اٹھا کر

انہیں دیکھا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے!

نانی نے دلیا تیار کر کے منے کو آواز دی۔

وقاص اسے گود میں لئے بھاگ کے آیا۔ ہنستے ہنستے دونوں کے چہرے سرخ ہو رہے تھے!

"ایک چکر ذرا ام خدیسیجہ کے ہاں کا لگا آؤ!" نانی نے ظہیر صاحب سے کہا۔ قدسیہ بیگم ان کی چچی کا نام تھا۔ "بیاہ کی کچھ خبر نہیں۔ پتا تو چلے کیا کہ آخر ان کا ارادہ کچھ اور ہے۔ مجھ سے کہا تھا کہ برسی کے بعد یہ تقریب رکھیں گی۔ برسی ہوئی کب سے۔ ارے ثنا کا بیاہ کب سے ہے کو مشکل ہے۔ برسی ورسی آڑے نہیں آتی۔ ان بیوی کے خیال عجیب ہیں!"

"آج تو مجھے فرصت نہیں!" ظہیر صاحب نے بلند آواز میں کہا۔

"اور پھر میں جا کے کیا کہوں آپ چلی جائیے۔ بہرحال میرے آپ اسی سلسلہ میں معقول انداز میں گفتگو کر سکتی ہیں!"

وقاص بول پڑا۔ "لیکن جب انہیں کوئی جلدی نہیں ہے تو آپ زبردستی کیوں مجبور کر رہے ہیں۔ برسی سے فارغ ہو جانے دیجئے!"

"آج اتوار (اتوار) ہے آج ہی چلی جاؤں!" نانی نے پوچھا۔

"نانی بیٹا کے بھائی بھی گھر پر ہوں گے!"

"ضرور جائیے!" ظہیر صاحب نے کہا پھر کرسی پر آ بیٹھے اور وقاص سے پوچھا: "اس بارے میں تم اتنے بیزار کیوں ہو رہے ہو۔ یا تو یہ شعوری تھی کہ میرے منع کرنے کے باوجود وہاں گئے جاتے تھے یا تو اب یہ بے رخی ہے کہ ادھر کا رخ کرتا نہیں، پتا نہیں کیا بات ہے کیا سلمیٰ سے کچھ لڑائی ہو گئی ہے!"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر؟" ظہیر صاحب نے کسی قدر برہم لہجے میں کہا۔ "کوئی سبب کوئی وجہ تمہاری اس بے اعتنائی کی؟ تم نے نانی اماں سے بلکہ الٹی سیدھی باتیں کیں۔ آخر بات کیا ہے؟ مجھے تمہاری سرد مہری کی وجہ معلوم ہونی چاہیئے!"

"کیا وجہ بیان کر دوں؟" وہ انہیں تکنے لگا!۔

"کیوں منع کر رہے ہو مجھے؟" اب کی ان کا لہجہ زیادہ سخت ہو گیا۔

"آپ جا کے کریں گے کیا؟"

"تاخیر کی وجہ دریافت کروں گا!"

"بھیا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تاخیر ہو جائے تو ٹھیک ہے۔"

"کیوں؟"

"میں ابھی اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا!"

"وقاص! یہ کس طرح کی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو!" انہوں نے توس ہاتھ سے رکھ دیا اور حیرت سے وقاص کو دیکھنے لگے۔ اس کے چہرے پر عجیب سی بیزاری محسوس ہو رہی تھی!

"ایسی کوئی بات اگر تھی تو تمہیں تبھی واضح کر دینی چاہیئے تھی۔" ظہیر صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں چچی جان کو اپنے وعدے اور منگنی کا پابند نہ کرتا۔"

"کیا باتیں کر رہے ہو تم لوگ؟" نانی بچے کو کھلاتی جا رہی تھیں اور یہ دیکھے بغیر کہ چمچہ اس کے منہ میں جا رہا ہے کہ ناک میں، اور ان دونوں کی طرف گھور گھور کر دیکھ بھی رہی تھیں!

"دیکھو نہیں لڑکے سے کہئے اب کافی لے آئے!" انہوں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔

"بھیا پہلے میں باہر جا کے کوئی ڈگری لے آؤں!" وقاص نے ایک معقول دلیل سے انہیں قائل کرنا چاہا: "مجھے کوئی مناسب ملازمت مل جائے۔ تب سوچیں گے۔ مجھے اپنے پیروں پر تو کھڑا ہو جانے دیجئے! اس بیروزگاری میں کیا شادی کیا بیاہ۔ کیا میں ہمیشہ آپ کا۔" عین وقت پر اس نے زبان روک لی۔

ظہیر صاحب نے اسے گھورا اور تلخ لہجے میں بولے: "کہو کہو رک کیوں گئے۔ یہی کہنا چاہتے تھے کہ ہمیشہ میرے دست نگر کیسے رہو گے! تو پھر ٹھیک ہے۔ اگر تمہارا انداز فکر یہی ہے تو میں ان کے پاس نہیں جاؤں گا نانی سے یہی کہلوائے دیتا ہوں کہ وہ چاہے جہاں مناسب سمجھیں سلمیٰ کو بیاہ دیں۔ اسے اب اس گھر میں نہیں آنا ہے!" یہ کہہ کر انہوں نے کرسی پیچھے کھسکائی اور اٹھ کر چلے گئے! وقاص دم بخود سا بیٹھا رہ گیا۔ نانی الگ منہ کھولے دیکھ رہی تھیں کہ کسی بات پر برہم ہو کر وہ چلے گئے تھے!۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

وقاص کو جواب کا ہوش کہاں تھا۔ وہ اپنی عقل کو کوس رہا تھا۔ زبان دانتوں تلے کچل رہا تھا! آخر اس نے یہ کیا حماقت کی تھی۔ کس برتے پر اس نے پرانی منگنی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ کیا سوچا تھا اس نے؟ وہ سلمیٰ سے کیوں خفا تھا؟ وہ سب سے برگشتہ کیوں ہو رہا تھا کس لئے؟ ایک انجانی لڑکی کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد وہ اس کے لئے کیوں اتنا پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اسے ابھی تک معلوم نہ ہو سکا تھا۔

وہ لڑکی کون تھی۔ کدھر سے آرہی تھی اور کہاں چلی گئی کہ پھر بے شمار راستوں پر سے ایک بار بھی نہ اس کا گزر ہوا نہ سامنا ہو سکا! ہو سکتا ہے کہ وہ اس شہر کے لئے اجنبی رہی ہو، کسی اور مقام سے آئی ہو اور وہیں واپس چلی گئی ہو اس سے دوبارہ ملنے کا کیا امکان رہ گیا تھا! اور اگر وہ مل بھی جاتی تو کیا۔ اس کے حالات اسے معلوم کہاں تھے۔ وہ شادی شدہ تھی! اس کے بچے تھے۔ وہ ایک باعزت گرہستن تھی؟ اسے کچھ بھی تو پتہ نہ تھا! پھر وہ — کہانیوں کے سے دیوانے شہزادے کا رول کیوں ادا کر رہا تھا۔ جیسے کوئی سنہری بالی یا سنہری جوتی کہیں مل جاتی ہے اور وہ اسی شہزادی کی کھوج میں نکل جاتا ہے کہ شادی کرے گا تو اسی سے جس کا بال ہے ورنہ کسی سے بھی نہیں۔ اس زمانے میں یہ بات عین عین پاگل پن ہے ایک فریبی سائے کے تعاقب میں بھاگنا۔ اس نے اپنے دھک دھک کرتے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کی کنپٹیاں چٹخنے لگی تھیں۔ کتنا غضب کیا اس نے کہ ظہیر صاحب کو ناراض کر دیا تھا۔ اب ان کے سامنے کیا صورت لے کے جائے گا! ہو سکتا ہے کہ اپنے غصے کی آندھی میں بے سوچے سمجھے وہ بچی جان سے کچھ کہہ سن کر سالی بھر پرانی منگنی منسوخ کرا دیں۔ اور پھر یہ ہو کہ اسے نہ سلمیٰ مل سکے نہ وہ اجنبی لڑکی۔ تو پھر۔

اس نے بہت سنجیدگی سے سوچا۔ کیا یہ بات اسے کہنا چاہیئے تھی؟ بہت برا ہوا تھا بہت برا۔ وہ تو شروع ہی سے ان کا دست نگر تھا۔ اس کی تعلیم اس کے قیمتی ملبوسات، اس کی تمام ضرورتوں کے سر انجام دینے والے وہی تو تھے۔ باپ کی زندگی ہی میں اس کی کفالت ظہیر صاحب کے ذمہ تھی! وہ اسے بہت چاہتے تھے۔ ان کی محبت زبانی کم تھی عملی زیادہ تھی

اس کے بے کہے سُنے وہ اس کی ضرورتیں پہچان جاتے تھے۔ اس کے ہر ممکن
دلار کرتے۔ اس کی جیبیں ہمیشہ انہی کی عطا کردہ رقموں سے پر رہتیں!۔
اسے کچھ کہنے یا مانگنے کا وہ موقع ہی نہیں دیتے تھے۔ ان کی عنایتیں اس
کے حال پر اتنی تھیں کہ وہ ان کا شمار کرنے سے قاصر تھا!۔

ہر سال جب وہ پاس ہوتا۔ چاہے جیسی بھی پوزیشن لاتا۔ وہ اسے
انعام ضرور دیتے تھے۔ کبھی بہت اعلیٰ درجہ کی قیمتی گھڑی۔ کبھی ہیرے کی
انگوٹھی۔ اب کی وہ بی ایس سی میں نمایاں حیثیت سے پاس ہوا تھا۔ تب
انہوں نے اسے اسکوٹر تحفۃً دیا تھا! اور۔ اور یہ وہ ان کی عملی محبت کے
مظاہروں کا ادھورا شمار کرتے کرتے مرعوب ہو گیا! اور سوچنے لگا کہ اب
ان سے معافی مانگنے کی کیا صورت ہوگی!۔

اسے سکتہ زدہ سا بیٹھا دیکھ کر نانی سمجھ گئیں کہ اس کی کوئی گھریلو
شرارت نے ظہیر صاحب کو خفا کر دیا ہے کہ وہ ناشتہ کئے بغیر چلے گئے ہیں۔
لہٰذا بچے کو کھلونوں میں مشغول کر کے وہ امکان بھر تیزی سے ان کے
کمرے کی طرف چلی گئیں مگر دروازے ہی پر ظہیر صاحب سے مڈبھیڑ
ہو گئی۔ وہ لباس تبدیل کر کے باہر جا رہے تھے۔ ان کے چہرے پر
سخت گمبھیر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی! نانی کا ماتھا ٹھنکا۔

"ارے میاں۔ کہاں!" ان کے طیش و غضب سے نانی ڈرتی نہ
تھیں: "ایسی کیا بات ہوئی ہے کہ ناشتہ کئے بغیر گھر سے جا رہے ہو
مجھ سے تو کہو۔ ہوا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا۔" وہ سرد لہجے میں بولے: "میں اپنی اور سب کی
غلطیوں کا خمیازہ بھگتنے جا رہا ہوں۔"

"دو بیازہ کے لئے کیا لینے جا رہے ہو؟" نانی نے بھونچکا ہو کر منہ اٹھا دیا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ جو غلطی ہم سب نے کی تھی۔ میں اسی کا مداوا کرنے جا رہا ہوں۔" ظہیر صاحب نے اب کی ہیچ کر کہا "آپ کے اب چچی جان کے ہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کے ہاں جا رہا ہوں یہ کہنے کیلئے کہ اب وہ اس منگنی کو ختم سمجھیں۔ اور جہاں جی چاہے اپنی لڑکی بیاہ دیں۔"

"ہائے غضب۔ یہ کیوں؟" نانی نے اپنے سینے پر دو ہتڑ مارا۔

"اس لئے کہ آپ کے صاحبزادے راضی نہیں ہیں" ظہیر صاحب نے کہا۔ "وہ باہر جا کے کوئی اعلیٰ ڈگری لائیں گے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے۔ پھر شادی وادی کی بات سوچیں گے۔ ان کے انتظار میں سلمیٰ کیوں بیٹھی رہے۔ اس لئے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ چچی جان کو دھوکے میں نہ رکھوں۔ ان سے کہہ دوں کہ ابھی سویرا ہے سیتی کا رشتہ کہیں اور کر دیں۔" پھر وہ زیادہ دلگیر لہجے میں بولے۔ "میری طرف سے جو اس نے آپ سے کہا تھا کہ میں اس کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ وہ سب ٹھیک تھا۔ مذاق نہیں! اب مجھے جانے دیجئے۔"

نانی نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور غیر اہم انداز میں بولیں "بیٹا رائی کا پہاڑ بنا لیا تم نے بھی۔ ارے جانتے ہو کہ دن رات ایسی ہی بکواس کیا کرتا ہے۔ جانتے بوجھتے تم اثر لیتے ہو۔ واہ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ لگی بندھی سال بھر پرانی رسم کو وہ توڑ پھینکے اور بڑے بھائی کی لاج عزت اپنی زبان کا پاس نہ کرے۔ آؤ۔ چلو غصے کے مارے سو کھے منہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نانا سننے کو جو اسی درس (درستا) ہوں۔

اس پاجی نے اگر کوئی ایسی بات کی بھی ہے تو دیکھنا کیسی خبر لیتی ہوں۔ ناشتہ اس نے بھی نہیں کیا۔ ہیق فق بیٹھا ہے۔ جانے منہ سے کیا نکال دیا ہے کہ اب پچھتا رہا ہے۔"

میز پر وقاص نہ تھا۔ ظہیر صاحب نے لڑکے سے کہا کہ اسے بلا لائے۔ وہ چوروں کی طرح آیا اور کرسی پر بیٹھنے کی بجائے ظہیر صاحب کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے جلدی سے پاؤں پیچھے کر لئے!

"معاف کر دیجئے بھیا میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ میں بڑا گدھا ہوں۔ معلوم نہیں ایک غلط بات میرے منہ سے کیسے نکل گئی!"

"وقاص جو بات تمہارے منہ سے نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کیا تم دل میں بھی وہی سوچتے ہو یہ جو کچھ ہے۔ کیا میرا ہے۔ تمہارا نہیں۔ یہ تم میرا اور تمہارا کیسے کرنے لگے؟"

"یہ سب کچھ میرا ہے۔ آپ کا کچھ بھی نہیں۔ آپ کو خدا واسطے یہ بات پھر کبھی مت دوہرائیے!" اس نے ان کے زانو پہ سر رکھ دیا۔ ظہیر صاحب کا غصہ کافور ہو گیا۔ انہوں نے اس کے بالوں میں انگلیاں الجھا دیں اور بولے "ٹھیک ہے۔ اٹھو۔ ناشتہ کر لو۔ سب کچھ ٹھنڈا ہو چکا!" اور پھر اشارے سے نانی کو منع کر دیا کہ اسے کچھ نہ کہیں!"

ناشتے کے بعد وقاص اپنے کمرے سے بن سنور کر نکلا! اور ظہیر صاحب کی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں بولا۔

"اب میں جا رہا ہوں۔ وہاں!" اور کچھ سرخ ہو کر جلدی سے مڑ گیا ظہیر صاحب نے تازہ اخبار اٹھائے۔ سگار کیس اور لائٹر لیا اور اپنے دوستوں کے منتظر باہر ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے! نانی کو تاکید کرتے گئے کہ

ان کے لئے کافی بھجوادیں۔

دس بجتے بجتے آفاق صاحب اپنی مریم کے ساتھ آگئے!

ظہیر صاحب جو ہمیشہ خواتین کے قرب سے گھبراتے تھے۔ کچھ ڈسٹرب سے ہو گئے اور جلدی سے کھڑے ہو گئے بھر کھنکھار ے!

"تسلیم جناب!" لڑکی کی مترنم سی آواز نے فضا نغمہ بار کر دی۔

"تسلیم!" جواب انہوں نے لڑکی کو دیا اور دیکھا آفاق صاحب کی طرف! پھر بولے۔ "آپ حضرات تشریف رکھیں میں ابھی آتا ہوں!"

"آفاق صاحب ہنس کر بولے" جناب آپ بھی تشریف رکھئے ہمارے لئے چائے وائے کی زحمت کرنے کی بالکل ضرورت نہیں! ہم ابھی ابھی ناشتہ کر کے آئے ہیں! سنو بھائی تم نے مریم کو بلوایا تھا میں لے آیا ہوں۔ اور اب میں ذرا ضروری کام سے جا رہا ہوں والدہ بیگم نے پھر گڑبڑ کی ہے۔ ان کے خون وغیرہ کی رپورٹ لینے جانا ہے۔ پھر شام کو کلینک بند رہے گا جو باتیں تم اس سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ میں واپسی پر اسے اپنا ہوا جاؤں گا!"

"لیکن!" ظہیر صاحب نے گھبرا کر کہا۔ "اتنی طویل کوئی بات انہیں تھوڑی پوچھنی ہو گی تم کچھ دیر بیٹھ کیوں نہیں جاتے!"

ان کی گھبراہٹ اتنی بے اختیار تھی کہ مریم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ یک بیک ایک لہر سی اس کے دل میں اٹھی اور پورے بدن میں پھیل گئی! نامحسوس اور اجنبی سی کاسنی تھی یہ۔ پہلے پہل محسوس ہوئی تھی۔ اسے اچھی لگی اور وہ چپنے لگی۔ دنیا بھر کے ادیب، شاعر اور قلم کار عورت کے حسن و جمال کے قصیدے پڑھتے ہیں، لیکن اصل خوبصورتی

سچ مچ کی شان اور وقار اگر ہوتا ہے تو بس مردوں میں۔ ان کا اونچا پورا قد و قامت، شاندار بھرے بھرے کندھے، پرکشش سینہ اور بارعب چہرہ، اصلی حسن و خوبی کا آئینہ دار ہوتا ہے! اور یہ۔ تو ان پانچ چھ برسوں میں بھی بالکل نہیں بدلے۔ ویسا ہی دماغ پر اثر کرنے والا قد تھا۔ وہی سنجیدہ سا بارعب چہرہ علمیت اور متانت سراپا سے ہویدا مسکرانے کا دلپذیر انداز، ان کا گھر اٹھنا بھی بڑا دلفریب تھا! چالیس سال کی عمر میں یہ خوبروئی اور کشش ان ہی کا حصہ تھی! اب تو پہلے سے زیادہ حسین دکھائی دے رہے تھے کنپٹیوں کے پاس چمکتے ہوئے سفید بالوں نے ان کے وقار اور مردانہ حسن کو دل موہ لینے والی جاذبیت بخش دی تھی!

"تم تو یوں پریشان ہو رہی ہو جیسے کہ مریم تمہاری استانی بن کے آئی ہو" آفاق صاحب نے ہلکا سا قہقہہ لگایا! "تم دونوں تو ہمارا سے شناسا ہو۔ جیسے ثروت جب جانتی آج ہوتی تو یہ حجاب بھی مٹ جاتا! لیکن۔۔۔ خیر۔ ہاں تو اب مجھے اجازت دو میں ایک بجے آجاؤں گا!" یہ کہہ کر وہ چل دیئے ظہیر صاحب کی پیشانی پسینے لگی" مریم ان کے لئے کوئی نئی لڑکی نہ تھی۔ وہ ثروت کی سہیلی تھی۔ اس کی کلاس فیلو جب ثروت کی شادی ہوئی تب بھی مریم برابر آتی جاتی رہی۔ ویسے ثروت کے انتقال کے بعد وہ دل شکستہ ہو کر خود ہی نہیں آئی تھی مگر ایسا بھی نہ تھا کہ اس گھر اور اس گھر کے لوگوں کے لئے وہ اجنبی ہوتی!

دونوں پانچ منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔ ظہیر صاحب منتظر تھے کہ وہی کچھ کہے گی۔ وہ منتظر تھی کہ وہ کچھ پوچھیں گے تو جواب دے گی۔ یہ خاموشی کچھ اور طویل ہو جاتی کہ دفعتہً نانی اماں نشید کو کمر پر لادے

نمودار ہوئیں! ظہیر صاحب کی جان میں جان آئی۔ نانی نے مریم کو دیکھ کر خوشی کے مارے دانت نکال دیئے۔ پھر ظہیر صاحب سے بولیں۔

"میاں تم ہی ذرا ان کی بولی سمجھ لو۔ مارے کسی چیز کے لئے ضد کئے جا رہے ہیں۔ میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں کیا منشا ہے؟"

انہوں نے بچے کو ظہیر صاحب کی گود میں دے دیا اور مریم سے مخاطب ہوئیں: "بیٹی بہت دنوں بعد صورت دکھائی کیا کہیں چلی گئی تھیں۔ آنا جانا کیوں چھوڑ دیا۔ اماں اور بھائی تو سب اللہ رکھے اچھے ہیں؟"

نشید مسلسل ٹھنکے جا رہا تھا! اس کی طرف بے چین نظروں سے دیکھ کر مریم نے نانی سے کہا۔

"جی سب اچھے ہیں۔ اور۔ وہ۔ میں۔ پڑھائی کی وجہ سے نہ آسکی تھی!"

اس کی مدھر آواز ایک بار پھر ظہیر صاحب کو اچھی لگی!۔

"آپ اسے بے بی گاڑی دے کر صحن میں چھوڑ دیجئے!" نانی کچھ اوٹ پٹانگ جواب مریم کو دینے ہی والی تھیں کہ ظہیر صاحب نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بچے کو لے کر چلی گئیں۔ لیکن ان کی آمد اور ان کی رفت سے یہ تو ہوا کہ ماحول کا جمود ٹوٹ گیا!۔

ظہیر صاحب نے آہستہ سے سوال کیا۔ "آفاق بتا رہے تھے کہ کسی معاملہ میں آپ کو سکینہ صاحب کی مدد درکار ہے۔ تفصیل چونکہ وہ بتا نہ سکے تھے اس لئے میں نے سوچا کہ اگر آپ کو تکلیف دی جائے تو شاید ــــ!"

"جی۔۔!" اس کا سر کچھ اور جھک گیا۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولی "پہلے میں نے یہی سوچا تھا کہ شاید سکینہ صاحب میری کوئی مدد کر سکیں گے۔

مگر اب اس کی امید نہ رہی ۔"

"کیا بات ہے؟ آپ کا کوئی پرچہ اچھا نہیں ہوا۔ کون سے سال میں ہیں آپ؟"

"بی ایس سی کا دوسرا سال ہے!"

"اچھا اچھا!" ان کے لہجے میں استفسار تھا!

"پریکٹیکل میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے!"

"کوئی تجربہ آپ نے غلط کر دیا تھا؟"

"جی نہیں۔"

ظہیر صاحب خاموش رہے۔ مریم بولی "تجربہ کی بات نہیں ہے۔ بلکہ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نے پریکٹیکل کا ایک پرچہ مس کر دیا۔ نجانے کیا دھوکا مجھے ہوا تھا کہ میں نے ڈھنگ سے ٹائم ٹیبل دیکھا ہی نہیں۔ گیپ کے دن امتحان دینے پہونچی تو دوسری لڑکیوں نے بتایا کہ پرچہ تو کل ہو بھی چکا!"

"اوہ۔!"

"ایک پرچہ کی وجہ سے میرا سال بیکار جائے گا!" مریم نے کہا۔ اسکے لہجے سے شرمندگی برس رہی تھی! "میں نہیں چاہتی کہ میں دوسروں سے پیچھے رہ جاؤں کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایسے پرچے سکینہ صاحب مرتب کرتے ہیں! اور وہ آپ کے دوست ہیں۔ اسی لئے مجھے امید بندھی تھی۔ کہ آپ اگر ان سے کہہ دیں تو کیا وہ۔ اپنے سامنے جیسا تجربہ چاہیں مجھ سے کروا نہیں سکتے؟"

ناممکن سی بات کو یہ ممکن کروانا چاہتی ہے۔ ظہیر صاحب نے حیرت سے

اس کی طرف دیکھا وہ بڑی ملتجی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی! دونوں کی نگاہیں مل گئیں! مریم نے محسوس کیا کہ جیسے ایک برقی رو اس کے بدن میں پھیر گئی ہو۔ اس نے جلدی سے پلکیں جھکا لیں لیکن ظہیر صاحب اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکے! انہیں ایسا لگا کہ انہوں نے بار بار دیکھنے کے باوجود اس خوبصورت لڑکی کو پہلی بار دیکھا ہے!۔

"معلوم نہیں! یہ ہو سکتا ہے کہ نہیں؟" انہوں نے سب کچھ جانتے بوجھتے کہا۔ مریم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا! اپنی توقع کی مضحکہ خیزی پر اب اسے شرم آ رہی تھی! اس کا سر جو جھکا تو پھر نہیں اٹھا۔ اس کی اس کیفیت کو محسوس کر کے ظہیر صاحب نے حوصلہ مند لہجے میں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"خیر! میں سکینہ صاحبہ سے ملوں گا اور یہ صورت حال ان کے سامنے رکھوں گا! ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی مناسب جواب دیں۔ لیکن آپ اس سلسلے میں اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ تین ماہ بعد سپلیمنٹری میں اپیئر ہو کے میک اپ کر لیجئے گا!"

"اچھا!" اس نے ہولے سے کہا۔ "جیسی آپ کی رائے ہو۔"

"نہیں نہیں۔ یہ میری رائے کی بات نہیں ہے۔" ظہیر صاحب کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی ہلکے سروں میں بج اٹھی۔ "میں پھر سکینہ صاحبہ کی خوشنودی اور آپ کی طرف سے ایک ناممکن سوال کر کے سبکی اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ فرض کیجئے کہ انہوں نے صاف جواب دے دیا اور یقیناً دیں گے تو پھر ہماری بات خالی جائے گی نا!"

"جی!"

"اس موضوع اور اس سے متعلقہ تفصیل ختم ہو چکی تھی گفتگو کرنے کا

کوئی سرا ملتا نہ تھا! اس کا مطلب یہ تھا کہ مریم انہیں خدا حافظ کہہ دے۔ ظہیر صاحب بھی بار بار پہلو بدل رہے تھے اور بار بار سگار کیس اٹھا رہے تھے رکھ رہے تھے مطلب یہ کہ وہ مریم کو موجودگی میں سگار پینے کو بُرا سمجھ رہے تھے! ان کی یہ کیفیت دیکھ کر بالآخر وہ اٹھ ہی گئی ظہیر صاحب کچھ عجیب سی سبکی محسوس کر رہے تھے۔ وہ ایک امید لے کے ان کے پاس آئی تھی۔ مگر انہوں نے ایسے صاف حوصلہ شکن جواب دے دیا تھا! چنانچہ جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے کچھ کام نہ آسکا! اگر آپ کا مسئلہ مجھ سے متعلق ہوتا تو میں ضرور حل کر دیتا۔ آپنے کچھ محسوس تو نہیں کیا!"

"جی نہیں!" وہ یکبارگی ہنس پڑی۔ "اب تو مجھے اس پرچے کی کوئی پرواہ ہی نہیں رہی! میں نے آپ کا یہ وقت جو خراب کیا ہے اس کا سخت افسوس ہے!"

"وہ چپ رہے! اور سوچتے رہے کہ یہ جلد چلی جائے تو اچھا ہے۔ مگر مریم نے باہر جانے کی بجائے اندر قدم بڑھا دیئے۔

یہ گھر اور اس کا ماحول اس کا دیکھا بھالا تھا! چنانچہ وہ نانی کی تلاش میں باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ شاید اس دن باورچی غیر حاضر تھا! کیونکہ کچن میں خاک سی اڑ رہی تھی کچھ پکنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ ایک چوکی پر نانی نشید کو گود میں لٹائے سلا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پہ بڑا کرب طاری تھا۔ جو مریم کو دیکھتے ہی لازوال سکون میں بدل گیا۔ وہ ان کے پاس آبیٹھی۔

"یہ سو گیا ہے۔ کہئے تو اندر لٹا آؤں!" وہ بولی۔

نانی نے کچھ اور رسان کر جواب دیا۔ "کہاں کچھ پکا ابھی تک۔ آج وہ مُوا پھر مر گیا۔ سودا آیا میرے سر پہ دھرا ہے۔ کیسے پکاؤں۔ ادھر پڑ کا منٹ بھر کو مجھے چھوڑتا نہیں،" وہ تو روئے دے رہی تھیں۔ "دیکھو بی بی مجھ بڈھی دکھیا پر یہ ظلم ہوتا ہے روز۔ لڑکے کو سنبھالوں کہ گھر کی دیکھ بھال کروں۔ اور یہ نتواں خوار باورچی ہے کہ جتنے گھر بیٹھ رہتا ہے تو چولہا بھی میں ہی جھونکوں۔ ارے لاکھ ہاتھ پاؤں جوڑتی ہوں دونوں کے خدا کے لئے شادیاں کرو! گھر میں دو دو گرہستنیں آئیں تو مجھے بھی سکھ کی دو سانسیں نصیب ہوں مگر میری نہ یہ مانتے ہیں نہ وہ!" انہوں نے مظلوموں کی طرح اپنے آنسو پونچھے!

مریم نے ان کی دلدہی کی۔ "نانی اماں! وقاص صاحب کی شادی تو جلد ہی ہونے والی تھی۔ کیوں نہ ہو گئی؟"

"کیا کہہ رہی ہو؟" کان پہ ہاتھ رکھ کر وہ اس کے پاس جھکیں۔ مریم نے اپنا سوال دوہرایا۔ نانی نے وجہ بتائی۔ پھر مریم نے دھڑکتے دل کو قابو میں کر کے پوچھا۔

"اور یہ مطلب یہ کہ ظہیر صاحب نے بھی اپنے لئے کچھ نہیں سوچا! سچ مچ یہ تو آپ پر ظلم ہے۔ آخر آپ اتنے سارے کام کیونکر کریں گی!"

نانی نے آنکھیں نکال کر سر ہلایا۔ "بیٹی توبہ کرو۔ بھلا ظہیر میاں اس رخ پر بھی آتے ہیں؟ وہ تو ایسی کوئی بات سننے کے روادار ہی نہیں۔"

"ثروت سے انہیں محبت تھی نانی؟" مریم نے کہا۔

"کیسی کچھ!" آہ بھر کر نانی نے کہا۔

مریم نے ایک گہری سانس لی اور ان کے کان کے پاس جھک کر بولی۔

" اچھا نانی میں نشید کو اندر سلائے آتی ہوں۔ آپ یہاں آرام سے بیٹھ جائیے۔ اب میں آگئی ہوں تو کھانا پکا کے رکھ جاؤں۔ آپ کہاں تک جھکیں گی بنا یئے کیا پکنا ہے!"

" بیٹی خدا تمہیں جیتا رکھے، خوشیاں دے میں چاہ گھر بار دے!" نانی نے اسے دل سے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔ " آج چھٹی ہے نا۔ تو میں روز سے بہٹ کے لڑکوں کے لئے دوسری چیزیں تیار کر دیتی ہوں۔" دلار کے مارے انہوں نے ظہیر صاحب کو بھی لڑکوں میں شمار کرتے ہوئے کہا۔ " اب دیکھو کہ قیمہ پلاؤ کا سامان منگوا رکھا ہے۔ بگھارے مرچے ہیں بسوئیوں کا مزعفر ہے۔ پلاؤ کے ساتھ لائیے!"

" اچھا تو آپ ادھر بیٹھ جائیے آرام سے" مریم ہنس کر بولی " کھانا آپ کے ہاں کب تک ہوتا ہے۔"

" دو ڈھائی بجے تک!" نانی نے کہا " مگر تم سب کچھ کر لوگی اکیلی۔"

" آرام سے نانی۔ آپ فکر نہ کیجئے!"

" جگ جگ میری بچی جئے!" نانی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ " تو نے جیسا آرام مجھے دیا ہے۔ میرا مالک اس سے دس گنا آرام ہزار گنا خوشیاں تجھے دے۔ بیٹی مگر سنو۔ پہلے ایک کوپ کافی ظہیر میاں کو دے آؤ۔ وہ اس وقت کافی نہ پئیں تو ان کے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔" وہ نشید کو اٹھا کر چلی گئیں " اچھے آرام سے سلا آؤں۔ ہاں کیسا صبر دار منہ خرا بچہ ہے۔"

مریم نے گیس کے چولہے پر کافی کا پانی رکھ دیا۔ اسے سامنے ہوادان میں ایک مرتبان میں چاول کے سیویں رکھے دکھائی دئے۔ جلدی جلدی اسنے

سیبو تلے اور پھر کافی بنا رہی تھی کہ دہلیز پر آہٹ سن کر مڑی! وہاں ظہیر صاحب کو دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا! اس نے کمر میں کھونسا ہوا آنچل کھول کر سر پہ اوڑھ لیا اور سہم کر انہیں دیکھنے لگی! وہ جھکی وہلیز ہی پر ٹھٹھک گئے! پھر ان کے خوبصورت لبوں پر تبسم بکھر گیا!

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ نانی اماں نے اپنی مظلومیت کی داستان آپ کو سنا کے آپ کو اپنا ہمنوا بنا لیا ہے۔"

"وہ کہتی تو ٹھیک ہیں۔" مریم نے کہا۔ "اب وہ بے چاری اتنی ضعیف و کمزور ہو چکی ہیں کہ ڈھنگ سے انہیں سنائی بھی نہیں دیتا۔ کام کاج نہیں کر سکتیں۔ پریشان ہو جاتی ہیں!"

تلے ہوئے سیبو اور گرم گرم خوشبودار کافی کی ٹرے لئے وہ ان کی طرف مڑی۔ چپکے سے پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور پلکیں گرائیں۔ لب کانپے۔

"چلیے!"

ظہیر صاحب بہت محتاط "آن پرست"، خوددار اور زبان کے دھنی تھے۔ اپنے اصولوں سے گرنا انہیں پسند نہیں تھا! اور نہ وہ یہ پسند کر سکتے تھے کہ کوئی دوسرا ان کے بارے میں الٹا سیدھا سوچے اور غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے! لہٰذا اپنے کمرے میں جانے اور بے تکلفی کو مزید راہ نہ دینے کی خاطر انہوں نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ!" اور ٹرے اس کے ہاتھ سے لے کر چلے گئے!۔

پندرہ بیس دن بعد وقاص نے اپنی ہونے والی سسرال کے در پر قدم رکھا تھا! اور اس طرح رکھا تھا کہ اس کا دل بوجھل تھا۔ سینے پر ایک بوجھ سا رکھا تھا۔ وہ اپنی خوشی سے نہیں آیا تھا! مجبور کر کے بھیجا گیا تھا! آج اس نے اپنے بڑے بھائی کے غیظ و غضب کا عجیب انداز دیکھا جس نے اسے پریشان کر دیا تھا! اسے کئی واقعے ایسے یاد آئے تھے۔ جب کہ انہیں یکبارگی بے پناہ غصہ آگیا تھا پھر وہ پچھتائے بھی تھے لیکن بعد کا پچھتانا! کچھ کارگر نہ ہوا تھا! اب بھی اس کی نالائقی پر یقیناً سال بھر پرانی منگنی ختم کروا ہی کے رہتے۔ مگر وقاص کو خوب احساس تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا! رسوائی، جگ ہنسائی، لعنت ملامت، وہ تو باہر چلا ہی جاتا، پھر سلمیٰ کا کیا ہوتا؟ ایک بڑی بدنامی اس کے سر آجاتی۔ لوگ انگشت نمائی کرتے۔ ایسے حالات میں دنیا لڑکی ہی میں کوئی عیب ڈھونڈتی ہے۔ کسی کا خیال اس طرف نہیں جاتا کہ لڑکے ہی کی کوئی شرارت ہو سکتی ہے۔ وہ دنیا بھر کی بیہودگیاں کرنے کے بعد بھی سب کی نظروں میں بے قصور رہتا ہے۔ اسے خطاکار ظالم سمجھنے والے بس چند ہی انصاف پسند ہوتے ہیں جن کی شنوائی نہیں ہوتی۔ ان کی آوازیں صدا بصحرا ہو کر رہ جاتی ہیں!

سلمیٰ کی بدنامی اور رسوائی بہرحال وقاص کو گوارا نہ تھی۔ اگر وہ منگنی کے بعد ایک ناپسندیدہ لڑکی بن گئی تھی تو یہ اس کا قصور نہ تھا۔ اسے تو وہم و گمان تک نہ تھا کہ وہ اپنے منگیتر کے دل کے سنگھاسن سے اتر چکی تھی۔

وہاں ایک موہوم سایہ براجمان ہو چکا تھا۔ وقاص بہر حال اپنی کیفیات سے اسے باخبر کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ اتنی شرافت بہرحال اس میں تھی کہ وہ اپنے بدلے ہوئے خیالات اپنی حد تک رکھتا! یوں بھی وہ بیحد بہادری سے اپنے محسوسات چھپا سکتا تھا! اس کے چہرے سے اس کے دلی جذبوں کا پتہ نہیں چلتا تھا اگر اسے کوئی تکلیف بھی ہوتی تو وہ کسی پر ظاہر نہ کرتا چنانچہ جب وہ اپنی چچی کے ہاں پہونچا تو ہمیشہ کی طرح یہی معلوم ہوتا تھا کہ پھول کی طرح کھلا ہوا ہے۔

اس کی زوردار پذیرائی ہوئی۔ چچی جان، ان کے بیٹے، بہو اور دوسرے لڑکے لڑکیاں سامنے ہی بیٹھے کھاپی رہے تھے اور خوش گپیاں کر رہے تھے! وقاص ابھی صحن ہی میں تھا کہ چچی جان کے بڑے صاحبزادے جو پہلوان ٹائپ اور پانچ چھ بچوں کے والد صاحب تھے۔ ایک نعرہ لگا کے اور ہنکار بھر کر اٹھے۔ جست لگا کے زینے طے کئے! اور وقاص کے پاس آ کر اسے گود میں اٹھا کے سر سے بلند کر لیا پھر دوڑ کر زینے طے کئے اور پھولوں کے ڈھیر کی طرح اسے سب کے درمیان لاکے بکھیر دیا۔ سب زور زور سے ہنس رہے تھے۔ وقاص ان کی ہنسی میں شامل ہو گیا!۔

بڑا ارمان تھا، نہیں کہ دولہاؤں کی طرح گودی میں لد کے آتے! "بڑی بہن بولیں۔

"ہو گا تجھی تو اتنے دنوں سے پیروں میں مہندی لگائے بیٹھے تھے!"

بھائی جان نے اپنی بھونپو سی آواز میں کہا۔ "میں نے کہا کہ غریب کا ارمان پورا ہی کر دوں!"

"مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے!" وقاص ہنجھلی کر بیٹھتا ہوا بولا...

"یا تو آپ ہی کچھ زیادہ پہلوان ہو گئے ہیں یا پھر میں اتنا نازک ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں کہ آپ نے کلیوں کے ہار کی طرح مجھے اٹھا لیا۔ مجھے تو واقعی بیحد شرم آ رہی ہے!"

"یہ دیکھو کہ تمہیں چاہتا کتنا ہوں" بھائی جان نے ایک زبردست قہقہہ لڑھکا دیا۔ "اس چاہت میں تمہارا وزن گھل مل گیا!"

"چلئے، دولہا کا ہاتھی ابھی سے دستیاب ہو گیا!" باجی بیگم نے کہا۔ "عین وقت پر کہیں سے کرائے پر نہ لانا پڑے گا۔"

"اللہ میرے حال پر رحم کرے" وقاص نے کانوں کو ہاتھ لگا لیا۔ "یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔ مجھے کیا ہاتھی پر آنا پڑے گا! تو پھر معاف کیجیے میں اس بے ڈھنگم جانور کی سونڈ سے بہت ڈرتا ہوں!"

"اس جانور کے سونڈ کہاں ہے دیکھو تو غور سے!" دولہا بھائی ہنس دیے۔ ریشمی کی چھوٹی بہن نے ایک بڑے عنبرینہ لا رکھی تھی۔ جس میں نجانے کیا کچھ سجا ہوا تھا۔ بڑی بے تکلفی سے وقاص نے پوری کشتی اپنے سامنے رکھ لی اور ان سب سے بولا۔

"آپ لوگ ناشتہ کر چکے شاید یہ سب کچھ میرے ہی لئے ہے نا؟" اور ایک خستہ سموسہ اٹھا کر اطمینان سے کھانے لگا۔ بچے اور باجی ان کے چہرے لال کی طرح کھل اٹھے مگر دولہا بھائی نے احتجاج کیا۔

"لیکن یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ آج تک میری خاطر تو اتنی بلکہ لاڈ دلار بھی اس طرح نہیں ہوئے۔ ابھی میں اتنا پرانا اور قدیم کہاں ہو گیا ان موصوف کلیوں کے ہار میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔"

"دولہا بھائی اپنا اپنا نصیب ہے" وہ ہنسا مگر کس طرح ہنسا کہ اپنی منافقت پر دل ہی دل میں شرمندہ ہو گیا۔ اس کی شگفتوں پر برف سی پڑنے لگی۔ یہ چہل پہل یہ گہما گہمی یہ ہنسی مذاق بس کچھ دیر کا کھیل معلوم ہونے لگا۔ جب دنیا ہی اداس ہو تو دنیا اداس ہے پھر وہ عجیب سا قنوطی ہونے لگا۔ کیا لگا بندھا قانون ہے جوانی شادی بچے اور جدوجہد پھر موت۔ اور کیا ہے؟

میں آباد تھی۔

"کیا بات ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ بھیا نے کہا تھا کہ تمہیں بخار آرہا تھا۔ اب کیسی ہو؟" وہ شیشی اوزار نہیں بھولا رہا تھا!

"مجھے آپ سے بات نہیں کرنی ہے!" اس نے گال پھلا رکھے تھے۔

"تو ٹھیک ہے!" اس نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ "تم مت بات کرو مجھ سے۔ لیکن میں جو باتیں کروں ان کے جواب تو دو!"

"کون سی ایسی مصروفیت تھی کہ آپ نے مہینہ بھر سے جھانکا تک نہیں!" سلمیٰ نے کہا۔

"لو بھئی!" وقاص نے فریاد کی۔ "میں ایسی حرکت کرتا تو تم بھی ڈنڈے لے کھڑی ہو جاتیں کہ یہ حضرت تاک جھانک کیا کرتے ہیں!" وہ کرسی کھینچ کر اس کے پٹھے پر ٹک گیا۔ سلمیٰ یونہی کھڑی رہی۔

"بھیا آئے تھے یہاں!" سلمیٰ بولی۔ "کہہ رہے تھے کہ ——"

"ایک آدھ دیکھ دے دیں!" وقاص نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ اس کے چہرے پر خفیف سی سرخی جھلکی۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوئی!"

"اچھا تم ایک کرسی لے لو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ پھر پورے ڈائیلاگ سنا دینا۔ بھیا نے کیا کہا اور تمہارے لوگوں نے کیا جواب دیا۔ چلو کرسی لے لو۔ شاباش!"

سنی ان سنی کر کے سلمیٰ نے کہا: "بھیا کہہ رہے تھے کہ آپ کوئی سی ڈگری لینے جرمنی جانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے!"

"ارے بھئی ذرا سر تو اٹھاؤ۔ دیکھو تو میری طرف!" وقاص جھنجھلا گیا۔

"یہ عورتوں کی سی شرم و حیا، تکلف مجھے مطلق پسند نہیں۔ یا تو اچھی طرح پردے کے پیچھے ہو جاؤ یا پھر سامنے نکلو اور ڈٹ کر بات چیت کرو! آ جاؤ باہر!"
اور سلمیٰ کی کھوئی ہوئی مسکراہٹ اس کے لبوں پر واپس آ گئی! "عورتوں کی سی شرم و حیا، کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا میں عورت نہیں ہوں؟"
"فی الحال نہیں ہو۔ جب شادی بیاہ ہو گا اور دس بارہ بچے تمہیں اماں کہنے لگیں گے تب ہو گی عورت۔ ابھی تو لڑکی ہو!"
"فضول باتیں مت کیجئے۔ جو کچھ میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دیجئے۔"
"اور کیا پوچھا ہے تم نے؟"
"سچ سچ آپ باہر جا رہے ہیں؟"
"تم کیا چاہتی ہو؟ جاؤں کہ نہ جاؤں؟"
"میرا چاہنا نہ چاہنا کیا۔ کون آپ میرا کہا مانیں گے!"
"کہا مانا نہیں جاتا، میری جان، کہا منوایا جاتا ہے۔" وہ بیدردی سے ہنسا "زبردستی منواؤں کہنا۔" سلمیٰ اس کے اجنبی سلوک سے پریشان ہو رہی تھی۔ ویسے وقاص کو اپنے جذبوں کو چھپانا اچھی طرح آتا تھا مگر سلمیٰ بھی تاڑنے والی نگاہیں رکھتی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ وقاص اوپری دل سے ہنس رہا تھا۔ دل پر جبر کر کے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بے ساختگی جو اس کی شخصیت کا حسن تھی اب کہاں تھی۔ رہ رہ کے وہ کہیں گم ہو جاتا تھا۔ اس طرح اس کے چہرے کو دیکھتا تھا جیسے وہ اس کے لئے کوئی اجنبی لڑکی ہو۔ تحیر اور حسرت کی ایک لہر اس کی آنکھوں میں ابھر کر مٹ جاتی تھی۔ سلمیٰ اس بیگانہ سلوک کی عادی نہ تھی۔ وہ اب بھی جبرئیل کا محترستان اپنے دل میں چھپائے کھڑی تھی۔ زبان حال سے چیختی ہوئی!

آگے بڑھو بیدرد سنگدل اجنبی انسان۔ آگے بڑھو۔ پاس آؤ میرے قریب۔ میری باہیں تھام لو اور۔ یوں بھی سینے سے لگا لینا تمہارا کام ہے سینے سے لگ جانا میری تمنا۔ سنا چکے ہو اتنے دنوں۔ اب یہ جھجک، یہ سوچ اور خاموشی کیا ہے؟

اس نے ایک گہری سانس لی اور موضوع بدل دیا۔ وقاص سے بولی۔

"میں نے سنا ہے کہ اچھے اچھے نغمہ کاروں کا ایک ٹروپ اپنے ہاں آیا ہوا ہے۔ کیا وہ پروگرام میں نہیں دیکھ سکتی؟"

وہ موسیقی کی دلدادہ تھی اگر کسی موسیقی کی محفل میں بٹھا دی جاتی تو ہوش و خرد سے بیگانہ گانا سنا کرتی۔ خود بھی کچھ گا بجا لیتی تھی۔

جواب میں وقاص نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں۔"

"کیوں۔ کیا وہ صرف مردوں کے لئے ہے؟"

"آج کل کوئی چیز صرف مردوں کے لئے نہیں ہے۔" تلخ لہجے میں وقاص نے کہا۔

"تو پھر؟"

"موسیقی سنی جاتی ہے۔ دیکھی نہیں جاتی۔"

"مجھے بھی سننا ہی ہے۔" سلمیٰ نے بھی خشک آواز میں کہا۔ "لے چلنا ہے تو ویسے کہئے۔ ورنہ۔"

"ارے میں تمہیں کہاں گھسیٹتا پھروں گا!" وقاص کرسی میں آرام سے سما گیا اور چمکار کر بولا۔ "آؤ۔ شاباش۔ بیٹھ جاؤ یہاں۔ کب تک کھڑی رہو گی۔ میرے پاؤں دکھ رہے ہیں!"

سلمیٰ کی جھجک دور ہو چکی تھی۔ آگے منڈیر پہ ٹک گئی اور وقاص کا موڈ

سے چلیں گے!"

"بھیا کچھ نہیں کہتے۔ یہ سب آپ کی بھابی کی زبانی ہے۔ بھیا تو اس دن یہاں آئے تھے۔ الٹا کہہ رہے تھے کہ کیا بات ہے۔ وقاص کو کیا ہو گیا ہے؟ بدلا بدلا سا کیوں لگ رہا ہے؟ کیا سوچتا رہتا ہے؟"

"تم نے تو سیدھے اپنے بھیا کا نام لے لیا۔ اب بات ہی ٹوٹ گئی!" وقاص نے کہا

"مذاق نہیں۔ سچ بتائیے میں بھی آپ کو بہت بدلا ہوا دیکھ رہی ہوں۔ سوچ اور فکر کی لکیریں آپ کے چہرے پہ کچھ ہو رہ گئی ہیں!"

"بڑے بڑے مفکرین کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں اسی طرح پڑی رہتی ہیں!"

"نہ بتائیے۔ میں تو سمجھتی ہوں!"

"کیا سمجھتی ہو؟"

"بتا نہیں سکتی!"

"تو پھر تم کچھ بھی نہیں سمجھتیں!"

"دل کی بات زبان پہ آ کے کہیں سچ نہ ہو جائے!"

"کیا مطلب؟"

"بعض وقت دل جو کہتا ہے، وہ جھوٹ نہیں ہوتا!"

"اور کیا کہتا ہے آپ کا دل؟" وقاص اس کا مذاق اڑانے پہ تل گیا تھا۔

"یہی کہتا ہے کہ اب آپ کو اس گھر سے وہ لگاؤ نہیں رہا جو پہلے تھا!" حلیمہ بول ہی دی۔

وقاص کا دل خفیف سا دھڑک اٹھا۔ "اسی کو کہتے ہیں خفقان"

اختلاج، وہم! سمجھیں۔"

"کاش سمجھ سکتی!"

"یہ آج کیسی پرانی بڈھیوں کی سی شکایتیں کر رہی ہو!"

"اور پھر کیا میں بند ۵ دن تک فلو میں پڑی گھلا کی۔ پل پل آپ کی راہ دیکھتی رہی۔ ایسا جی چاہتا تھا کہ بس دروازہ کھلے اور آپ کی شکل دکھائی دے۔ مگر کچھ نہیں۔ آپ نہیں آئے۔ جیا آئے تھے دیکھنے گئے تھے۔ انہوں نے میری کیفیت آپ سے کہی ہو گی۔ آپ تب بھی نہیں آئے۔

وہ ذرا تھمی اور پھر جیسے زور لگا کے سے کہا ——— وہ ایسے وہم، اختلاج یا خفقان نہیں کہتے! سنیے!"

"ایسے معمولی سے فلو بھی کوئی بڑا مرض ہے کہ عیادت کرتے پھرو۔"

وقاص نے بور ہو کر کہا اور بیزار کن انگڑائی لے کر جیب میں سگریٹ ٹٹولنے لگا۔

"یہاں نہیں" سلمیٰ نے کہا "دھوئیں کی خوشبو اندر تک جائے گی۔ ڈرائنگ روم میں سب آ بیٹھے ہیں۔ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے؟"

"یا اللہ" کراہ کر وقاص بولا "ابھی سے اتنی پابندیاں؟ کیا منگنی میں یہ عالم ہے۔ شادی کے بعد تو زور سے سانس نہ لینے دو گی کہ جھنکار سے کوئی اڑ کر باہر نہ جا پڑے۔"

"وقاص بھائی!" اندر سے کسی نے ہانک لگائی "ایسے کیسے گردن لٹکا کے آپ کرسی سے چپک گئے ہیں۔ آئیے کھانے تک شطرنج کی ایک بازی ہو جائے۔" پھر سلمیٰ کے خالہ زاد بھائی کمال کی شکل دکھائی۔ سلمیٰ اٹھی اور پھرتی سے کمرے میں ہو رہی۔ کمال وہاں آیا اور تعجب سے بولا —

"یہ کب سے آپ اکیلے بیٹھے ہیں۔ ارے کیا دل نہیں گھبرا رہا؟ میں تو سمجھا تھا کہ یہاں سلمیٰ باجی بھی ہیں۔ کہاں ہیں وہ؟"

"معلوم نہیں!"

"چلئے نا۔ بیٹھئے! کھانے تک شطرنج ہو جائے۔ دولہا بھائی اور بھائی صاحب، باط بچھائے بیٹھے ہیں!"

"اماں مجھے کہاں آتی ہے شطرنج۔ خواہ مخواہ ہار کر شرمندگی ہو جائے گی۔"

"آپ آئیے تو!" وہ زبردستی اسے لے گیا!

کچھ ہی دیر میں بڑے کمرے کی چھت گونجدار قہقہوں سے اڑنے لگی۔ بڑی دلچسپ محفل تھی۔ زندگی سے بھرپور، پُر آہنگ مگر وقاص کا دل بجھ، مردہ ہو گیا تھا۔ کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ یہ قہقہے اسے لکڑ ہاکیوں کی چیخیں لگ رہے تھے۔ ان سب کی ہنستی مسکراتی شکلیں، جیسے بہت دھندلی ہو رہی تھیں۔ یہ محفل، یہ باتیں، یہ ہنسی اسے کتنی پھیکی لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یکبارگی اٹھے اور کہیں دور چلا جائے۔ یہاں سے دور، گھر سے دور، دنیا سے دور — کتنے دنوں سے ایک پھانس دل میں لگی تھی اور عجیب ڈھیٹ تھی کہ ہزار علاج کے بعد بھی نہ نکل رہی تھی! وہ حیران تھا۔ اس کا سا لاابالی، بے پروا، بے فکر اور خوش مزاج آدمی اتنا سنجیدہ، ایسا اداس کیونکر ہو گیا تھا! اپنے آپ پر ترس کھانے کی منزل تو بڑی گریہ آلود ہوتی ہے۔ کسی سے درد دل کہنے نہ بنے، کوئی سننے والا بھی نہ ہو اور کہنے کو کچھ معقول بات بھی نہ ہو۔ جب کہ اس کا دل چاہتا تھا کہ اس کے سادے محسوسات بے کہے دوسرے کے دل پر منقوش ہو جائیں۔ کم سے کم بھیا اور سلمیٰ کے دلوں پر۔ بھیا اپنے ارادے سے

خوب بنی سجی تیار ہو کے اس کے ساتھ ہو لی تھی! اور ایک برقعہ پوش کی رفاقت
پر اترا رہا تھا وقاص کو شرمندہ کر رہی تھی! چلی تو تھی وہ بڑے اشتیاق سے۔ مگر
جب تھیٹر پر پہنچی تو ہوش کھونے لگی۔ جلتی بجھتی روشنیوں کا کھیل نظروں کو
خیرہ کر رہا تھا۔ انسانی سروں کا ایک موّاج سمندر تھا کہ دور دور تک پھیلا ہوا
تھا۔ اتنی چہل پہل اتنی گہما گہمی کا تصور تک اس نے نہ کیا تھا۔ اب وہ کچھ کہہ بھی
نہ سکتی تھی کیونکہ اس کے وہم اور خفقان کا مذاق وقاص پہلے ہی اڑا چکا تھا
اس نے چھوٹی موٹی محفلیں دیکھی تھیں لیکن یہ شہر گیر محفل اس کے ہوش اڑانے
کو کافی تھی۔ اس نے ہال میں پہنچ کر ادھر ادھر دیکھا اور وقاص کا ہاتھ تھام لیا

"شروع ہو گیا نا اختلاج" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا "معلوم ہوتا ہے کہ
میری تفریح بھی کرکرا کرو گی؟"

"ارے تو کیا میں کچھ کہہ رہی ہوں؟" وہ بھی خاصی خفا ہو گئی تھی۔
"اب کہیں بیٹھ جائیے نا۔ یہاں تو ایک سیلاب سا بہہ رہا ہے۔ اتنے آدمی آئے
کہاں سے ہیں۔"

"اپنی نشست آگے ہے۔ محترمہ آپ کی تفریح طبع کی خاطر پہلی قطار کے
ٹکٹ بک کرائے تھے خادم نے۔ اب ذرا جلدی قدم بڑھائیے تو شکرگزار ہوں گا۔"
پھر وہ سب سے آگے جا بیٹھے۔ وقاص بولا "سانسیں درست کر لو" معلوم
ہوتا ہے کہ ایورسٹ سر کر کے آرہی ہو۔ لاحول ولا قوۃ۔ تم لوگ چاہے چاند
پر جا چڑھو۔ چاہے سمندر کی تہہ میں ڈبکی لگاؤ۔ چاہے کوئی جنگ جیت کے
آؤ مگر رہو گی عورت کی عورت۔ مجھے دیکھو۔ کیسا پرسکون ہوں۔ اپنی شکل
دیکھو گر پرس میں آئینہ چھپا کر لائی ہو!"

"خاموش رہیے!" سلمٰی نے کہا۔ وہ دل جلا سا آس پاس دیکھنے لگی۔

پہلو کی کرسی پر ریزرویشن کارڈ پڑا تھا معلوم نہیں کون آکے بیٹھے گا یہاں؟

اسٹیج پر کئی ساز رکھے ہوئے تھے۔ ایک آدھ فنکار بھی دکھائی دے رہا تھا۔ روشنیوں کی بہتات سے اسٹیج پر دن نکلا ہوا تھا۔ پھر پروگرام کے شروع ہونے کا اعلان ہوا۔ اور وہ فنکار جو اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے تھے اسٹیج پر آنے لگے تھے! اب تک سارا ہال بھر چکا تھا اور مختلف سازوں کی مدھر جھنکاریں شروع ہو چکی تھیں۔ وفا کی پاس والی کرسی پر کوئی آکے بیٹھ گیا تھا! پہلے تو اس نے کوئی خیال ہی نہیں کیا۔ اسٹیج ہی کی طرف نگاہیں گڑائے رہا تھا۔ لیکن اچانک ایک بھولی سی آواز اور شناسا سی الفاظ نے اس کی گردن ادھر موڑ دی۔ پھر اسے کسی بات کا ہوش ہی نہ رہا! کہاں تھا۔ کس ماحول میں تھا؟ کیا ہو رہا تھا۔ وہ تو خود کو بھول گیا بس اسے یہ احساس تھا کہ اس کے پہلو میں دھڑکنے والا دل اتنی شدت سے مچل رہا تھا کہ پسلیاں توڑ کے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں پسیجنے لگی تھیں اور ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے! ہال کی تیز روشنیاں اس کی نظروں کے سامنے اندھیرے کی سی تاریک لہریں لینے لگیں۔ سازوں کی مسرت آفریں آوازیں بے معنی شور و غوغا بن کر رہ گئیں اور موسیقی کی ہوشربا تانیں کہیں دور جا سوئیں۔ اب وہاں کچھ نہ تھا! نہ کوئی انسان نہ کوئی آواز۔ نہ روشنی، نہ ہلچل۔ اب وہاں وہ خود تھا اور اس کی وہ حسین ہم نشین جس کی دید و آرزو میں وہ ایک عرصہ سے بے چین و مضطرب پھر رہا تھا۔ آج بے سان گمان وہ اسے دیکھ رہا تھا! اور حیران تھا کہ کیا وہ واقعی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ سفید ریشمی لباس میں ملبوس، چہرے پر تمکنت ایک وقار، کرسی میں ترچھی بیٹھی اپنی سیاہ دراز خوشنما پلکیں اسٹیج کی طرف اٹھائے سن رہی تھی! اس کے رسیلے

گلابی لبوں پر معدوم سی مسکراہٹ تھی۔ وقاص مسحور ہو گیا تھا اور مغلوب بھی کیا سوچے گی وہ کہیں اسے پہچان نہ لے۔ اس سے ایک حادثہ وابستہ تھا۔ اس نے اس کے ساتھ بھلا کون سا عمدہ سلوک کیا تھا نہیں۔ اس کا نہ پہچاننا ہی ٹھیک تھا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اسے اپنی اور اس کی ٹکر یاد آجائے اور وہ پھر خفا ہو جائے۔ اسے ہنسی آنے لگی۔ لیے اس کی کسی کیفیت کا پتہ کہاں تھا کیا معلوم تھا اسے کہ وہ خفا تھی کہ راضی؟ راضی ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا! اس نے ایک طویل سانس لی اور اپنی بے ضبطی پر خجل سا رخ پھیرنے ہی والا تھا کہ اس کی ہم نشیں نے اسے دیکھ لیا۔ ایک لمحہ کے طویل ترین عرصہ تک دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے میں پیوست رہی تھیں۔ وقاص تو جیسے کیل دیا گیا تھا! اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ دنیا کے ختم ہونے تک اسی کرسی میں اسی پوزیشن میں بیٹھا رہے گا!

پھر ایک عجیب انہونی سی بات ہو گئی۔ اسے شبہ ہوا کہ اس نے لڑکی کے لبوں پر شناسائی کا تبسم دیکھا تھا! یقیناً وہ اسے پہچان چکی تھی! وقاص کے بے چین دل کی الٹی سیدھی دھڑکنیں قابو میں آنے لگیں! کسی تعارف کے بغیر اور کچھ سوچے سمجھے بغیر اس نے بے ارادہ کہہ دیا۔

"آپ دوسری دفعہ نظر ہی نہیں آئیں!" اور پھر شرمندہ سا ہو گیا۔ کیا ضرورت تھی کہ وہ دوسری تیسری بار دکھائی دیتی!

"جی ہاں!" ابکی وہ ہنس پڑی۔ "ان راہوں پہ بے شک نظر نہیں آئی۔ ڈر لگتا تھا کہ کہیں آپ اسکوٹر لیے میرے منتظر نہ ہوں سرِ راہ ٹکرانا۔ اور تماشہ بننا مجھے بالکل پسند نہیں وقاص صاحب!"

وقاص مارے خوشی کے بوکھلا گیا۔ "آ۔ آپ۔ مم۔ میرا نام کیسے جانتی ہیں۔

میں تو نہیں سمجھتا کہ ٹکرانے سے پہلے یا بعد کو میں آپ سے کبھی ملا تھا! نہیں! سچ بتائیے!"

"آپ ان دنوں یہاں نہیں تھے!"

"میں پھر نہیں سمجھا!"

"آپ ڈیرہ دون میں تھے. میں ثروت کی دوست ہوں. آپ کے وہاں میرا آنا جانا ہمیشہ رہتا تھا! اس کے گذرنے کے بعد میں پھر کبھی آپکے ہاں نہیں آئی!"

"اچھا اچھا!" آنکھیں نکال کر حیرت کی زیادتی سے پاگل ہوتے ہوتے بچ کے وقاص نے کہا.

دفعتہً سلمیٰ نے جھک کر ادھر جھانکا! وقاص کی کھٹر پھٹر اسے بور کر رہی تھی! مگر اسکے جھانکتے ہی ایک ننھی سی سریلی چیخ اسکے ہونٹوں سے نکلی!

"اللہ. یہ تم ہو. مریم! کتنے دنوں بعد ملی ہو!"

"مریم!" وقاص گنگنایا.

اب مریم نے بھی سلمیٰ کی طرف دیکھا. اور بولی. "او خدا! یہ تم ہو! دیر تک میں لیٹی ہیں نے تمہیں دیکھا تھا. مگر پتہ ہی نہ تھا کہ یہ تم ہو! ارے بیوقوف تم نے آنا کیوں چھوڑ دیا؟"

"آپ دونوں پرانی جان پہچان کی نکل آئی ہیں!" وقاص بولا. اب وہ دونوں اس کی طرف تھکی چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کبھی وہ بیوقوفوں کی طرح مریم کو دیکھتا کبھی سلمیٰ کو. اس کی پوزیشن مضحکہ خیز ہو رہی تھی! اسکا خاتمہ کرنے کے لئے سلمیٰ نے بڑی خوشامد سے وقاص سے کہا.

"سنئے جی. آپ ذرا، پلیز میری سیٹ پر آجائیے نا. آپ ہمارے

بیچ میں بیٹھ گئے ہیں۔ کیسے باتیں کریں گے ہم!"

دفاحسن کو سخت غصہ آیا۔ اس کا جی چاہا کہ خوب زور سے چلا کے کہہ دے "تم گانا سننے آئی ہو۔ باتیں کرنے نہیں، مگر ایسے خون کے گھونٹ پی کر سلمیٰ کا کہا ماننا ہی پڑا۔ اس نے سلمیٰ سے نشست بدل لی اور اس کی نالائقی پر جلتا بھنتا رہا۔ یہ کتنی مکار لڑکی! اگر مریم کو پہلے سے جانتی تھی تو آخر اس نے اس کا ذکر کیوں نہ کیا تھا۔ وہ اتنے دن ایسا حیران اور خراب نہ ہوتا پھرتا۔ اب وہ بظاہر اچھی بری موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا مگر کان ادھر لگے تھے۔ ان دونوں میں کیا باتیں ہو رہی تھیں لیکن ایک لفظ نہ سن سکا (اول تو وہاں یونہی شور کیا کم تھا! باجے بج رہے تھے۔ گلے بازی جاری تھی۔ لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ پاؤں سے تال دے رہے تھے۔ داد و تحسین کے شور سے ہال گونج رہا تھا۔ وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔ ان کی باتیں نہ سنے نہ سہی۔ اب تو معلوم ہو گیا تھا کہ مریم کوئی غیر نہیں تھی۔ اس کے گھر آتی رہتی تھی۔ سلمیٰ کی سہیلی تھی لہٰذا کیا پرواہ تھی۔ جب پہلا حصہ گانے کا ختم ہوا تب کا دل پر سے ذکر کا غبار ہٹا تو وہ پہلی دفعہ موسیقاروں کی طرف متوجہ ہوا۔

سلمیٰ پھر موسیقی کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئی مریم سے باتیں کرتی رہی۔ "کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اب میں گھر سے کم نکلتی ہوں!" سلمیٰ بولی۔ دونوں کے لب ہل رہے تھے لیکن پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔

"میں یہاں کہاں تھی۔ بھابی کے والد نے ہشوارے کا حصہ دینے کے لئے انہیں بلوا بھیجا تھا۔ وہ مجھے بھی لے کر چلی گئی تھیں۔ کچھ ہی دن ہوئے ہیں کہ یہاں آئی ہوں مگر تم ان حضرت کے ساتھ کیسے نظر آ رہی ہو۔ کیا کچھ؟"

"یہی سمجھ لو!" سلمیٰ مسکرانے لگی "یہ حضرت آدھے نصف بہتر ہو گئے ہیں۔ تقریباً سال بھر پہلے کی بات ہے۔"

"مبارک ہو" مریم نے گرمجوشی سے سلمیٰ کا ہاتھ دبایا، پھر ہنسنے لگی۔

"غائبانہ تعارف مجھ سے بھی ہے۔" اس نے وفا سے ٹکرانے کا قصہ سناتے ہوئے کہا۔ "سچ مانو بڑا غصہ آیا تھا کہ ظہیر صاحب کے سے سنجیدہ مہذب انسان کے بھائی یوں بے لگام ایک ایک سے ٹکراتے پھرتے ہیں اور پھر انجان اس قدر بنتے ہیں کہ جیسے کبھی کی پہچان ہی نہ ہو!"

"مجھے تو معلوم ہی نہیں!" سلمیٰ بولی۔

"اب یہ بتاؤ کہ تمہارا بیاہ کب ہے؟" مریم نے پوچھا۔

"اوئی توبہ۔ یہ جگہ کوئی ایسی باتیں کرنے کی ہے؟" بے حد پیارے انداز میں شرما کے سلمیٰ نے جواب دیا۔

"بھائی تم سے ملنے کے بعد تو اب اس ہاؤ ہو میں میرا جی نہیں لگ رہا۔ حالانکہ آئی بڑے شوق سے تھی!" مریم بولی۔ "یہ کنسرٹ تو جانے کب تک چلے گا۔ کیا تم پورا پروگرام سن ہی کے جاؤ گی؟"

"تم کہو!" سلمیٰ نے کہا۔

"چلو چلیں" مریم نے کہا "میرے گھر چلو۔ بہت سی باتیں کریں گے۔ رات کے کھانے کے بعد بھائی جان سے کہوں گی تمہیں گھر پہنچا دیں گے۔"

"ہائے مگر میں تو ان کے ساتھ آئی ہوں!" سلمیٰ بولی۔

"تو کیا تم ان کی رہبر تو نہیں ہو۔ یہ پروگرام کے بعد گھر چلے جائیں گے تم میرے ساتھ چلو!"

"ڈرتی ہوں مریم۔ کہیں برا نہ مان جائیں!"

"میں پوچھ لوں؟"

"ہاں!" اس نے مسکرا کر شرارت سے سر ہلا دیا۔

چنانچہ مریم کی مترنم آواز میں اپنا نام سن کر وہ فوراً ادیشہ خطمی ہو گیا اور بے حد اشتیاق سے اس کی طرف دیکھنے لگا شاید چائے یا آئس کریم کی فرمائش کرے گی اور وہ ایک سعادت مند ہونہار ہیرے کی طرح بھاگ کے جائے گا اور خود دوڑے اٹھا کر لائے گا۔

"فرمائیے!" آئس کریم کی طرح پگھل کے اور میٹھا بن کے اس نے پوچھا

"میں سلمیٰ کو لئے جا رہی ہوں۔ آپ کچھ محسوس تو نہ کریں گے؟" مریم نے پوچھا

"جی۔ نہیں ہرگز نہیں!" سوچے سمجھے بغیر دغاص نے نفی میں سر ہلا دیا۔ سلمیٰ اجان بوجھ کر مکر ہی بنی بیٹھی رہی۔

"چلو!" مریم نے ایک مسکراتی ہوئی نظر دغاص پر ڈالی اور اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا۔ پھر اس نے سلمیٰ کا ہاتھ تھام کر اسے نشست سے اٹھایا اور ہال سے نکل چلی گئی! کتنی دیر تک وہ احمقوں جیسا ایک طرح بیٹھا رہا تھا۔ غصہ تو اس وقت آیا جب ہوش آیا۔ کیا نالائقی تھی۔ یہ ادھورا پروگرام چھوڑ کر ہال سے چلے جانا کون سی شرافت تھی یکو اس کرنے کے لئے بے چین تھیں۔ کیا پروگرام کے بعد وقت نہ ملتا۔ ایسے اکیلا چھوڑ کے چلے جانا بھی بدتمیزی، بداخلاقی اور نامعقولیت کی انتہا تھی! سلمیٰ پر آیا ہوا غصہ اب نفرت میں بدل رہا تھا۔ شور اب بھی اپنے شباب پر تھا مگر وہ غصے کے سناٹے میں گم بیٹھا رہا۔

ظہیر صاحب نے بڑی حیرت سے وہ تبدیلی نوٹ کی! کئی دنوں سے وقاص
پژمردہ، اداس اور بجھا بجھا سا رہتا تھا حتیٰ کہ اسے ننھے نشید سے بھی
پہلے کی سی دلچسپی نہ رہی تھی! نانی کو خفا کر کے ان کی بڑبڑاہٹ سننے میں
اسے خاص لطف آتا تھا لیکن اب وہ بالکل بدل گیا تھا! جیسے کہ پرانی
ڈھیلی کینچلی اتار پھینکی ہو۔ کتنا خوش و خرم اچھا، تروتازہ، مسرور
اور تندرست نظر آ رہا تھا! ظہیر صاحب دالان میں بیٹھے اخبار دیکھ
رہے تھے اور بیچ بیچ میں برابر دیکھے جا رہے تھے کہ وقاص اپنے کمرے سے
نکلا۔ اس نے عید کے سے نئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ گہری کاہی پتلون اور
دودھ سی سفید قمیض جس کی ہر شے نئی لگ رہی تھی! وہ ان سے بچتا ہوا
دور ہٹ کے صحن کی طرف چلا گیا لیکن سینٹ کی مہک اس طرح چھوڑ گیا
کہ ظہیر صاحب کو وہیں چھینکیں آ گئیں۔ اخبار انہوں نے میز پر
رکھ دیا اور صحن کی طرف دیکھنے لگے۔ جہاں نشید اپنے ہلکے پھلکے گیند کو
لڑھکا کر اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا! اس کے پرمسرت قہقہے ماحول
کو نغمہ بار کر رہے تھے۔ وقاص اپنے قیمتی اور صاف ستھرے لباس کی
پرواہ کیے بغیر نشید کے ساتھ کھیلنے لگا اور پھر یکبارگی اسے اٹھا کر
سینے سے لگا لیا۔ اس کے مچلنے کی پرواہ نہ کی اسے چومنے لگا! نشید
کے مچلنے سے اس کے پاؤں میں بھری مٹی وقاص کے اجلے کپڑوں پر گندگی
کے نشان چھوڑ گئی۔ اس نے اس کی پرواہ بھی نہ کی! خواہ مخواہ خوش

ہو رہا تھا، ہنس رہا تھا! ظہیر صاحب بغور اسے دیکھے جا رہے تھے! اور اس کا خوشی کا سبب جاننے سے قاصر تھے!

ایک دفعہ وقاص نے کنکھیوں سے انہیں دیکھا اور وہ بھی حیران رہ گیا کہ ظہیر صاحب اس وقت تک آفس کیوں نہ گئے! انہوں نے لباس تبدیل کر رکھا تھا! ان کی کار دروازے پر آ چکی تھی۔ ورنہ لیبوریٹری کی گاڑی نہیں لے جاتی اور واپس بھی پہنچا جاتی تھی۔ آج گاڑی باہر منتظر تھی! یہ تو ظہیر صاحب کے اصول کے خلاف بات تھی۔ وہ کار کو کبھی ذاتی کام میں استعمال نہیں کرتے تھے! ایک دفعہ وقاص کے چند ساتھی کہیں باہر پکنک منانے جا رہے تھے۔ ایک ٹیکسی ان کے لئے کافی نہ ہو سکتی تھی تب وقاص نے ان کی کسی خوشامد کی تھی کہ وہ فون کر کے لیب سے کار منگوا لیں لیکن ظہیر صاحب نے یہ منظور نہ کیا۔ اسے دوسری ٹیکسی کا کرایہ دے دیا تھا!

پھر اب گھنٹہ بھر سے کار کھڑی تھی۔ اور ظہیر صاحب ڈرائنگ روم کے بجائے لان میں بیٹھا سکون سے سگریٹ پی رہا تھا۔ جبکہ اسے بھی نہ تھی۔

وقاص کو الجھن ہونے لگی! اگر وہ گھر سے چلے جاتے تو پھر وہ بھی سلمیٰ کے گھر جا سکتا۔ اسے راحت کرنا بہت ضروری تھا۔ یہ تو اس پر ظاہر کرنا ہی نہ تھا کہ وہ اس کی نالائقی کی وجہ سے اس سے الجھ رہا تھا! وہی خوشی۔ اسے ساحل مراد تک پہنچانے ڈالی! وہ تھی سے مل کر باتوں باتوں میں مریم کا پتہ پوچھنا چاہتا تھا! مریم اس کے تو اس پر گھر سے کہر کی طرح چھا گئی تھی! اس کے دل میں سما گئی تھی۔ اس کی اوّل و آخر آرزو بن چکی تھی! اس کے سامنے اس نے سلمیٰ کا چراغ گل کر دیا تھا! اپنی قدیم منگنی کی تو اس نے کبھی پرواہ ہی نہ کی تھی۔

جب نشید اس کے ساتھ کھیلنے پر آمادہ نہ ہوا تو وہ جرسی کی لگی مٹی جھٹکتی سے جھاڑتا ہوا کچن میں گھس گیا! خانساماں کئی دنوں سے آیا نہ تھا! نانی کچھ بیمار ہی تھیں اور حسب معمول بھولی سوچی بڑبڑا بھی رہی تھیں! اس کی طرف دوشیزاؤں کی سی نگاہ غلط انداز ڈالی اور بڑی ادا سے گردن پھیر لی۔ وقاص کو ہنسی آ گئی۔ اس نے ان کا کندھا چھو کے انہیں متوجہ کیا اور نانی نے اسے جھنجوڑ کھایا: "کیوں اب کیا ہے۔ ناشتہ پانی دے دیا۔ کھا پی چکے۔ اب کیا کام ہے کہ نانی کے سر پہ مٹی ڈالنے چلے آئے ہو۔" مسلسل باورچی خانے کے کام بھگتاتے نانی حد سے زیادہ خفا ہو گئی تھیں! بات بات پر ان کا مزاج بگڑ جاتا تھا۔ انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے وقاص ان کے کان کے پاس جھک کر بولا۔

"میں پچھلی شام گیا تھا خانساماں کے پاس۔" سفید جھوٹ لڑکھڑاتے ہوئے اس نے کہا۔ "وہ بیچارہ بخار میں جھلس رہا تھا! کہہ رہا تھا کہ بیگم صاحب سے ہاتھ جوڑ کے میری طرف سے معافی مانگ لیجئے! ذرا اچھا ہوں گا تو فوراً کام پر آجاؤں گا! اب تو میں کھانس کھنکھار رہا ہوں۔ بیگم صاحب بد مزا کھانا نہ کھائیں گی۔ اسے چند روز کیلئے معاف کر دیجئے نانی۔"

نانی آنچ پا کے پگھلیں۔ "کیا کہہ رہا تھا۔ بیگم صاحب؟"

"جی ہاں۔" وقاص نے آنچ تیز کی۔ "بار بار گڑگڑا کے بیگم صاحب کہہ رہا تھا۔"

"ارے تو موئے نے دوا دارو کچھ کی نہیں کہ یونہی مرا جا رہا ہے!" بیگم صاحب بن کر انہوں نے حاتم کی روح کو شرماتے ہوئے کہا: "بٹیا پھر کبھی ادھر جائیو تو دس پانچ دے آئیو۔ کہہ بھی دیجیو کہ کام کی فکر نہ کرے۔ اچھی طرح دوا کھا کے ٹھیک ہوئے تو پھر آئے۔ کھانس کھنکھار کے ہانڈیوں میں تھوک

اڑانا مجھے پسند نہیں۔ سنا؟"
"اچھا۔" وقاص نے کہا پھر کچھ اور جھک کے بولا۔" نانی امّاں۔ آج کیا ہوا ہے کہ بھیا ابھی تک گئے نہیں! کیوں بیٹھے ہیں؟"
"ارے مریم بٹیا کا انتظار کر رہے ہوں گے۔" نانی نے وقاص کے جوا مرلہ پر بم پھینکتے ہوئے کہا۔ "معلوم نہیں کہ آج ابھی تک آئی کیوں نہیں۔ اللہ اسے چاند سورج کی عمر دے۔ میرے ہاتھ پاؤں بن جاتی ہے۔ میں تو اسی کے انتظار میں ہوں!"
"مریم کا انتظار؟" وقاص کا وجود جھٹکے سے اٹھ گیا۔ یہ کون سی مریم ہے وہی ہے کہ کوئی اور۔ وہی ہو گی۔ اس نے کہا بھی تو تھا کہ وہ بھابی کی زندگی میں آیا کرتی تھی۔ پتہ نہیں۔ بھیا کو اس کا انتظار کیوں ہے؟ یہ تو بہت دنوں سے اسے جانتے ہوں گے۔ اور اس کے دل کے حال کا پتہ نہیں کہیں بھیا کو چاہتی تو نہیں؟ بے حد وحشت سے وقاص نے سوچا۔ اور ظہیر صاحب کے قد آور شاندار جثہ کے ساتھ ساتھ ان کے خد و خال کو بھی ذہن میں اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ دنیا کی کون سی عورت ایسی ہے جو انہیں پسند نہ کرے کیسے پرکشش خوبرو مرد اور دلفریب انسان ہیں۔ مزید ان کی دولت مندی اعلیٰ درجہ کی پوسٹ، وقاص نے اپنے دل کو خلش آمیز انداز میں دھڑکتا محسوس کیا کچھ دیر پہلے کی سی طفلانہ معصومیت اور جذبوں کا ہیجان اب ایک عجیب سی اداسی اور محرومی میں بدل گیا تھا! وہ گہری فکر میں کھو گیا اور جیز کے کنارے سے ٹیک کر دور روشن خلا میں محو پرواز طیور کو دیکھنے لگا!
دفعتہً اس کے دل سے ظہیر صاحب کی بھاری آواز آٹکرائی۔" وقاص!"
"آیا بھیا!" ایک گہری سانس لے کر اس نے کہا اور مرے مرے قدم رکھتا

ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہ اپنا فائل تھامے اب صحن میں آ گئے تھے اور ہلکی ہلکی سردی میں کھڑے سگار کے کش لے رہے تھے۔ وہ لمحوں تک اس سے مخاطب نہ ہوئے تو وقاص کے دل میں پھر شک کا کانٹا چبھ گیا اس نے انہیں زیادہ سوچنے کا موقعہ نہ دیتے ہوئے کہا "بڑے چچا!"

چچا صاحب نے سگار منہ میں رکھ کر ڈسٹ بن میں جھٹکتے ہوئے کہا۔ "بیٹے میں تو جا رہا ہوں بس اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا! اچھا یار سنو۔ تم گھر پر رہو گے کہ کہیں جا رہے ہو؟"

"جی میں تو کہیں نہیں جا رہا!" اپنی دلی مسرت کو بمشکل قابو میں کرتے وہ جلدی سے بولا۔ چچا صاحب کے جانے کے بعد مریم ضرور آتی اور اس سے باتیں کرنے اس کے حسن سے محظوظ ہونے کا ایسا سنہرا موقعہ کہاں ملتا! وہ شوق فراواں پر بند باندھ کر نہایت مضطربانہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا!

"گھر ہی پر رہو گے؟"

"جی!"

"ایک منٹ میں مریم تاجی آئیں گی ان کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں نے کوشش تو بہت کی لیکن معذرت خواہ ہوں کہ ناظر سے آپ کا کام نہ کرا سکا"

"اور کچھ؟"

"بس اسی قدر!"

"کون سا کام تھا چچا؟ مجھ سے کہا ہوتا آپ نے" وقاص نے کہا۔ "شاید میں کر سکتا!"

"کوئی بھی نہیں کر سکتا!" چچا صاحب نے بے دلی سے کہا "احمقانہ کام تھا!"

تم مزید تفصیل میں مت جاؤ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، اسے کہہ دینا۔ اب میں چلتا ہوں۔ نشید کا خیال رکھنا۔ پچھلے برآمدے کی جالی پر چڑھ کر نیچے جھانکنے لگا ہے۔"

"آپ اطمینان سے جائیے۔ میں سب کا خیال رکھوں گا!" اس نے بے حد سکون سے کہا۔ ظہیر صاحب مڑ کر چلے گئے۔ وقاص اکثر رسوہ۔ بابیٹھا اور اخبار اٹھا لیا۔ لیکن یہ سارا جسم ایک کان بنا ہوا اسی آہٹ پر لگا ہوا تھا۔ رہ رہ کے وہ کلائی پر بندھی گھڑی بھی دیکھ لیتا۔ ابھی تک اسے آجانا چاہیئے تھا۔ اگر یہ سچ ہے کہ اسے کوئی ضروری کام تھا! کیوں نہیں آئی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہو گیا کہ سلمیٰ کی طرف جا نکلی ہو۔ سلمیٰ اکثر تسمہ پا کا رول ادا کرتی ہے۔ کوئی مل جائے اسے بکواس کرنے کے لئے۔ پھر کیا مجال ہے کہ وہ اس کی واہیات باتوں کے جنجال سے جلدی آزاد ہو سکے۔ سلمیٰ پر غصہ اور اس سے نفرت لمحہ بہ لمحہ رسو کے دل میں جڑ پکڑتی جا رہی تھی!

تبھی دفعتاً وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بے اختیار کرسی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کسی کی ہلکی ہلکی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پھر صحن کے بڑے دروازے پر پڑا ادھ بھیرا پردہ ایک طرف سرکا اور وقاص کی پلکیں جھپک گئیں! سلام دعا کا ہوش کہاں تھا۔ وہ اسے یک ٹک گھورے جا رہا تھا!..

"تسلیم وقاص صاحب!" مریم کی خوشنما آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس لے آئی۔

"تسلیم جناب!" اس نے دانت نکال دئیے۔

اجازت لئے بغیر مریم کرسی پر آ بیٹھی اور سلمیٰ لہجہ میں بولی: "وقاص صاحب ممنون ہوں گی آپ میری آمد کی اطلاع ظہیر صاحب کو نہ پہنچا دیجئے! حالانکہ

کوئی ایسا ضروری کام نہیں ہے لیکن چونکہ وہ مجھے اس کام کے نتیجے سے مطلع کرنا چاہتے تھے جس کے لئے میں نے ان سے کہا تھا اسلئے انہیں زحمت دینے آگئی ہوں۔

"مجھے بے حد افسوس ہے!" وقاص تخت کے پاس رکھی کرسی پر ٹک گیا۔ "بھیا آپ کی آمد سے صرف دس منٹ پہلے چلے گئے" اور مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ محترمہ مریم سے معذرت کے ساتھ کہہ دینا کہ ان کا کام ان سے نہ ہو سکا!" یہ کہہ کر وہ بڑے غور سے اس کا ردِّ عمل دیکھنے کی کوشش کرنے لگا! مگر وہ خفیف سا مسکرا کر بولی۔" مجھے معلوم تھا۔ اب میں شرمندہ ہوں کہ ناحق انہیں تکلیف دی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے۔ بھلا کوئی معقول بات تھی!"

وقاص رفتہ رفتہ کھل گیا،" لیکن کام آخر کیا تھا مجھے بھی تو کچھ بتائیے شاید میں ہی کچھ کر سکوں۔ بھیا بہت سنجیدہ اور لیئے دیئے رہنے والے محتاط آدمی ہیں اکثر وہ کسی کام کے کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ سچ مانیے کہ مجھے یاد نہیں بھیا نے کبھی سبزی والی سے چار آنے کی دھنیا کی پتی بھی خریدی ہو۔"

مریم اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی" وقاص صاحب آپ سمجھتے ہیں کہ میں ظہیر صاحب سے خدا نہ کرے ایسا ویسا کوئی کام کہہ دوں گی۔ وہ تو۔ یونیورسٹی کا معاملہ تھا،" "کہئے نا مجھ سے!" وقاص نے بچوں کے سے ضدی لہجے میں کہا۔

"نہیں اب کچھ نہیں۔ میں تو ان سے معذرت کرنے آئی تھی۔" مریم نے کہا،" آپ نے ان کا پیام مجھ تک پہونچا دیا۔ اب براہ کرم میری معذرت بھی ان تک پہونچا دیجیے گا کہ میں نے ایک ناممکن سی فرمائش کرکے انہیں تکلیف دی۔ ان کا وقت خراب کیا۔ وہ مجھے معاف کر دیں!"

"ضرور کہہ دوں گا۔ لیکن۔ کیا آپ جا رہی ہیں؟"

"جی۔ نانی کے پاس!"

"ہاں ابھی ابھی نانی بھی آپ کو یاد کر رہی تھیں"۔ وقاص نے کہا: کہہ رہی تھیں کہ آپ ان کے ہاتھ پاؤں بن گئے ہیں۔ عجیب تماشہ ہے کہ آپ اس گھر کے لئے اور گھر والوں کے لئے اجنبی نہیں ہیں لیکن میں ابھی تک آپ کے لئے غیر بنا ہوا ہوں۔"

"نہیں تو" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔ "میرے لئے آپ غیر نہیں ہیں۔ میں نے ثروت کے البم میں آپ کی بہت سی تصاویر دیکھی تھیں۔ وہ آپ کا ذکر مجھ سے کرتی رہتی تھی۔ آپ کو بہت چاہتی تھی! اور کہتی تھی کہ تم میرے دیور سے مل کے بہت خوش ہو گی۔ مجھے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز ہے۔ اب وہ ڈیرہ دون سے آئے گا تو میں تمہیں اس سے ملاؤں گی۔ مگر تقدیر کو جانے کیا منظور تھا۔ آپ وہاں سے جلد نہ آ سکے اور وہ یہاں سے جلدی چلی گئی! بہت اچھی دوست تھی میری۔ مجھے بے حد یاد آتی ہے!"

"بھیا بھی آپ کو جانتے ہوں گے!"

"ہاں۔ اچھی طرح!"

"پھر جب اس شام ہماری ٹکر ہوئی ہے تب۔ آپ نے تو مجھے بخوبی پہچان لیا ہو گا؟"

"لیکن آپ نے ذرہ برابر بھی شناسائی ظاہر نہ کی!"

"مجھے غصہ آ گیا تھا!"

"صاحب! میں تو آپ سے ملنے کے لئے اور معافی مانگنے کے لئے اس عرصہ میں خوب در بدر ہوا تھا!" وقاص اب اس سے بے حد بے تکلف ہو چکا تھا مریم نے بھی اس سے تکلف نہ برتا۔

"کیا ضروری تھی معافی؟" اس نے اپنی سیاہ و دراز گھنی گھنی پلکوں سے لدی پھندی آنکھیں اس کی طرف اٹھائیں۔ کیسا سحر تھا ان میں۔ وقاص مسحور ہونے لگا!

"معافی" وہ گڑبڑا کر بولا "ہاں۔ وہ۔ اس لئے ضروری تھی کہ۔ مجھے رہ رہ کے یہ خیال ستا رہا تھا کہ کہیں میں نے آپ کے چوٹ نہ پہونچا دی ہو۔ ویسے سچ پوچھئے تو چوٹ میں نے کھائی تھی!" یہ کہہ کر وہ اپنے عامیانہ فقرے پر خجل سا ہو گیا!

"ہاں میں نے تو دیکھا ہی تھا کہ آپ نے گرتے گرتے گھٹنا سڑک پر ٹیک دیا تھا۔" مریم نے کہا پھر پرس سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ذرا نانی سے مل آؤں۔ پھر میں چلتی ہوں۔"

صحن سے گزرتے ہوئے اس نے جھک کر نشید کو گود میں لے لیا اور کچن میں ہو رہی۔ پیچھے وہ بھی گھس آیا۔ نانی کے ہاتھ سے کام چھین کر اور نشید کو ان کے حوالے کر کے مریم تو کچن میں مصروف ہو گئی اور آپا بھی چوکی پر بیٹھ کر وقاص سے باتوں کی ڈاک گاڑی چلا دی۔ اتنا بے حد اور کیوں خوش ہو رہا تھا اُسے خود بھی اندازہ نہ تھا! وہ مریم کی ایک ایک جنبش کو دیکھ رہا تھا اور اس کی ہر ہر ادا میں اپنے حسب منشا دمرضی حسن اخذ کر رہا تھا۔ وہ کتنی پھرتی اور سلیقے سے بڑے بھگونے میں چاول کی پرتیں جما کے بیچ بیچ میں قیمہ اور بھنے ہوئے آلوؤں کی تہہ لگا رہی تھی۔ ان میں کتنی دلکشی کتنا نرالا حسن تھا! اس کے گلابی رسیلے ہونٹوں پر کتنی مسحور کن مسکراہٹ تھی! وہ سر تا پا تعلی حسن لگ رہی تھی! پھر وقاص کے دل میں شک کے شعلے نے سر ابھارا۔ آخر اس گھر سے

اس کی دلچسپی کی وجہ کیا تھی! کیا وہ حجیبا کی محبت میں — وقاص نے لب بھینچ لئے! کیوں وہ اتنی محنت، اور دل سوزی سے کھانا پکانے لگی تھی! اگر وہ نہ آتی تب بھی روز کی طرح کھانا پک جاتا! اور وہ ضروری کام کون سا تھا جو اس نے حجیبا کے سپرد کیا تھا اور اسے مہیا کرنے کو کہا تھا۔ کیسا اثر و رسوخ والے ہیں، بڑے بڑے افسر، اور یہ جانے کس کس کو ذرا سی امن لوگوں سے ان کی دوستی ہے، بھلا کیا بگڑ جاتا ان کا اگر وہ اس خوبصورت لڑکی کا کام کر دیتے حسن کی خاطر کرنا تو باعث مسرت ہے مگر یہ حجیبا، پتھر ہیں بالکل — ایسے مگن رہتے ہیں جیسے اللہ میاں نے انہیں متاثر ہونے والا، جو اس قسم میں بیٹھ گیا اسے غصہ آیا تو وہ پھر یکبارگی اُبل پڑا۔ اور مریم سے بولا۔

"مجھ سے کہنے میں آخر کیا حرج ہے کہ وہ کون سا ضروری کام تھا جو ظہیر صاحب تمہارا انجام نہ دے سکے! مجھے کہنے میں جھجک جاتے ہو کرانہ؟"

"اللہ" مریم نے اس کی طرف رخ کر کے پلکوں کی جھالر اٹھائی اور پھر جھکا دی، بے چارگی سے بولی۔ "آپ اپنے بڑے بھائی کا پورا نام لیتے ہیں۔ ان سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اگر سن لیں تو؟"

"ان کے سامنے تھوڑی کہتا ہوں۔ ان پر غصہ آتا ہے تو اکیلے میں کہہ لیتا ہوں۔" وقاص نے اس طرح کہا کہ مریم ہنس دی، وقاص نے بھی دانت نکال دئے اور پھر بولا۔

"ہاں تو پھر آپ نے کہا نہیں!"

"کیا کہوں؟"

"وہ۔ ضروری کام۔!"

"ارے تو آپ ہی کیا کر سکیں گے؟" وہ مسکرائی اور پھر چاولوں پر بڑی احتیاط سے لیموں کا عرق بکھیرنے لگی!

"اب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں آسمان کی پیشانی سے چاند سورج نوچ کے آپ کی پیشانی کے ٹیکے بنا دوں گا! سارے ستارے دامن میں اکٹھا کر کے آپ کی مانگ کی افشاں چن دوں گا۔ میں ایورسٹ پر چڑھ کر آپ کے گلاس کے لئے تازہ برف مہیا کر دوں گا یا پھر سمندر کی تہہ سے سچے موتی نکال کے آپ کے لئے ایک ہار گوندھ دوں گا۔ ایسے جھوٹے دعوے میں نہیں کرتا۔ بس اس کے سوا میرے امکان میں جو کچھ ہو گا میں آپ کے لئے کر گزروں گا!"

نانی نے جو قریب میٹھی گنگنا گنگنا کر نشیدر کو سلا رہی تھیں گوندھنے کا ذکر سن لیا تھا۔ لہٰذا مریم کے خوبصورت جواب اور وقاص کے جواب سننے کے حسین ارمان پہ پانی پھیرتی ہوئی بول پڑیں۔

"ابھی سے آٹا گوندھ کے کیا کرے گی۔ ڈھائی بجے تک ڈھل کے نہ رہ جائے گا۔ گلگلوں کے سے آٹے کے کیا خاک پھلکے پک سکیں گے۔! جب مہماں آجائیں تب جھٹ پٹ۔!"

"نانی آپ کی رنگ میں بھنگ کرنے کی عادت نہیں گئی!" وقاص بور ہو گیا! اور مریم سے بولا "یہ آپ نے خواہ مخواہ کچن کیوں سنبھال لیا ہے۔ چلئے نا ہم باہر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کریں!"

مریم نے بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا "کیوں؟ کیا یہ ضروری ہے؟" اس کے لب و لہجہ میں اتنی سردی تھی کہ وقاص بھی سرد ہو گیا۔ اور ہکلاتا ہوا بولا۔

"وہ۔ وہ کچھ ایسی ضروری تو نہیں، مگر۔ مم۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم بہت سی باتیں کریں۔ آپ جو ایک عرصہ بعد ملی ہیں تو میں ذرا۔۔ خوشی کے مارے اپنے آپے میں نہیں رہ گیا ہوں!"

مریم نے ایک ہتھیلی میں پیاز کاٹنے اور آستین آنکھوں پر رکھ کر جھار سے بہنے والے آنسو جذب کرتے ہوئے کہا۔

"میرا ملنا اور نہ ملنا آپ کے لئے خوشی کا باعث کیوں ہے میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ اور مجھ سے باتیں کرنا آپ کے لئے ایسا اہم کیوں ہے۔ وقاص صاحب۔ مجھے اس طرح کی طفلانہ جذباتیت بالکل پسند نہیں۔ میں کسی کو انگشت نمائی کا موقعہ بھی دینا نہیں چاہتی! سنئے! آپ کی مرحوم بھاوج میری پرانی دوست تھی۔ میں اپنی مرحوم سہیلی کے بچے کی خاطر اور نانی کا ہاتھ بٹانے آتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے آپ سے یا آپ کے بھائی صاحب سے کچھ ایسا ویسا واسطہ ہے۔ آپ سمجھ گئے! اگر آپ نے یہ بچکانہ باتیں پھر نہ کیں تو پھر میں یہاں نہیں آؤں گی!"

محبت کی بدحواسیاں عجیب ہوتی ہیں۔ محبت عزتِ سادات پر بھی پانی پھیر دیتی ہے۔ وقاص بھی آن کی آن میں مریم کی محبت میں گلے گلے غرق ہو چکا تھا۔ اس کے لہجے نے اس پر کچھ بھی اثر نہ کیا بلکہ وہ الٹا بُرا ماننے لگا!

"تو آپ کی نظروں میں میں بچہ ہوں۔ الٹی پلٹی باتیں کرتا ہوں۔ آپ میری بھابی کی دوست ہیں لہٰذا بزرگ ہیں۔ مجھے آپ سے باتیں کرنے کا حق نہیں ہے۔"

"کیا حق ہے" مریم نے آنسو بھری سیاہ و گلابی آنکھوں سے اس کی طرف یوں دیکھنا شروع کیا کہ اس کا تلخ لہجہ تو اس کے کانوں تک نہیں پہونچا مگر ایمان کا سفینہ جو پہلے ہی بحرِ عشق کی لہروں پر ہچکولے کھا رہا تھا اب بالکل ڈوب گیا۔

"آپ اپنے کمرے میں جائیے آپ کا یہاں کیا کام ہے؟" اسے یوں گھورتے دیکھ کر مریم بوکھلا گئی اور جلدی سے رُخ پھیر کے کسی اور کام میں مصروف ہو گئی۔

پھر ملازم لڑکا بھی باسکٹ لٹکائے آ گیا اور وہ جوں ہی اپنے کمرے میں آکے پہونچے انھیں دل سے کہا۔ کچھ سوچنے اور خون جلانے بیٹھ گیا!

کچھ دیر پہلے کی خوشی ختم ہو چکی تھی! امنگیں سرد ہونے لگی تھیں۔ مریم کے خشک لہجے نے اسے بہت دکھ پہونچایا تھا۔ لیکن اس پر بھی وہ اپنی طوفانی محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا! حسن ہمیشہ بے ستم گر رہا ہے ہمیشہ اور بے پروا ہوتا ہے عشق کی مظلومیت بھی ایک عالم پر آشکارا ہے۔ پھر یہ دل ہو کے اپنی بے پناہ محبت سے ہاتھ اٹھا لیتا کون سی عقلمندی تھی۔ اس نے سوچا۔ ایک نمایاں حماقت تو اس نے یہ بھی کی تھی۔ اتنی جلدی مریم سے بے تکلفی برتنے لگا تھا جیسے کہ وہ اس کے بچپن کی سہیلی ہو۔ دیسے دل ہی دل میں اسے یاد کرتے کرتے وہ اسے اپنی جنم جنم کی ساتھی سمجھنے لگا تھا لیکن بھلا مریم کو اس کے تصورات کا علم کیا تھا۔ وہ اسے اجنبی ہی تو سمجھتی تھی!

اتنا بہت سا سوچنے کے بعد جب مریم کی بے رخی میں اسے اپنی حماقت پوشیدہ نظر آئی تو اس نے مریم کو صدق دل سے معاف کر دیا۔ اور پھر سے ہشاش بشاش ہو گیا۔ محبت آہستہ آہستہ اثر کرتی ہے۔

پہلی نظر کی محبت حماقت ہے۔ سچی محبت نہیں۔ لہٰذا اس نے آہستہ روی کو اختیار کرنے کا بڑا پختہ ارادہ کر لیا۔ بشرطیکہ مریم کے سامنے وہ اپنے ارادے پر قائم رہ سکتا!

ایک بوجھ سا اس کے دل پر سے اتر گیا! اب وہ پھر سے خوش و خرم نظر آ رہا تھا! اس نے کرسی سے اٹھ کر قد آدم آئینے میں اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔ ایکدم واہیات لباس تھا! گندی سی جرسی، مٹی بھرا پتلون، بکھرے بال، اور بے ہودہ سی دکھائی دیتی شکل!

اس نے الماری کھول کر دوسرا لباس نکالا اور غسل کر کے بڑے اہتمام سے خود کو ایک بار پھر سنوارا سجایا اور گالوں پر خفیف سا پف کر کے باہر نکلا کئی بار اسے سلمیٰ کے بھائی اور بہنوئی پسندیدہ نظروں سے دیکھ کر سراہ چکے تھے! اسے خود بھی احساس تھا وہ خاصا خوبرو اور وجیہہ تھا اور اب تو اسے یقین تھا کہ یہ حسن اور مردانہ وجاہت مریم کو مرعوب و متاثر کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتی! پھر جب وہ لباس پر اسپرے کر کے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ کھانا فریج میں رکھ کے اور رشید کو آرام سے سلا کر مریم جا چکی تھی!

جیسے بھرے پرے من پر جیسے بجلی گر پڑی۔ نڈھال شکست خوردہ سا آرام کرسی پر گر گیا اور اس کا دل چاہنے لگا کہ خوب زور زور سے چیخیں مار کے رو ئے! جانے وہ حسین ترین نظر آنے والی لڑکی اندر اندر اتنی بے رحم ایسی سنگدل کیوں تھی؟

دالان کے سرے پر جہاں خوب فراٹے دار ٹھنڈی ہوا آتی تھی۔ نانی حصیر بچھائے لیٹی تھیں۔ اور رہ رہ کے غنودگی کے عالم میں نیند کے

جھولے کو ایک ہلکو را سا دے کے پھر اونگھ جاتی تھیں!

"یارب۔ کیسا اداس دن ہے۔" اس نے اندر اندر روتے ہوئے کہا۔ کیسا اداس، افسردہ کن اور سنسان دن۔ یہ ڈھلتی ہوئی زرد زرد دھوپ بیخاموش بے حس وحرکت گملے، پتوں پر سر ڈالے ہوئے پژمردہ سی کلیاں، ٹوکرے میں آرام سے لیٹی ہوئی موٹی تازی بلی اور اس کا شوخ و شریر بچہ! یہ سب چیزیں روز کی سی ہیں۔ بے حد غیر دلچسپ، بے حد بور، اکتا دینے والی۔ اب ایک دو گھنٹے بعد بھیا آئیں گے! اور یہ پوچھے بغیر کہ کھانے میں کیا ہے جو کچھ ان کے سامنے دھر دیا بلکہ پٹخ دیا جائے گا۔ الٹا سیدھا کھا کے اپنے اسٹڈی روم میں جا کے غیر دلچسپ خشک اور عجیب سی کتابوں میں گم ہو جائیں گے۔ اس کے دل کی لگی کا حال نہ انہیں معلوم ہے نہ وہ پوچھیں گے۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس کی ہمہ گیر تنہائی کا علاج کیا ہے۔ ہائے۔ میرے باپ۔ میری بھابی۔ تم سب لوگ کیوں اتنی جلد جلدی مر گئے! اب میں اپنے دل کے پھپھولے کس کے سامنے پھوڑوں۔ محبت ہمیشہ ایک رازدار چاہتی ہے۔ میرا رازدار کون ہے؟

مریم کی یاد آہ و فغاں کا بہانہ تلاش کر رہی تھی اسے اپنی ماں یاد آئی۔ مجبور باپ یاد آیا۔ سنجیدہ اور بے حس بھائی کا سرد سلوک یاد آیا۔ اپنی بے بسی اپنی محرومی کا احساس ہوا اور وہ کرسی کی پشت گاہ پر سر ٹیک کے جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا! آنسو روکنے کی یہی ترکیب سمجھ میں آئی تھی!

وخلوص کے بدلے ہوئے سلوک نے ظہیر صاحب کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا
انہوں نے سوچا تھا کہ شاید تنہائی کی زندگی نے اسے بیزار کر کے رکھ دیا
ہے! ابھی تک اس کی تمام ضرورتوں کا خیال رہی کرتے آئے تھے۔ لہٰذا
اس کی پریشان حالی نے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ اب اکیلے پن
سے اکتا گیا تھا! چنانچہ انہوں نے ایک صبح ناشتے کے بعد نانی سے پوچھا۔
"آپ کا کیا خیال ہے۔ مجھے بچی کے پاس جا کے کہنا چاہیئے۔ اب وہ
ایک تاریخ دے دیں۔ آخر کتنی دیر اور ہو گی!"

نانی نے سب کچھ سنا کہ نہیں مگر لفظ دیر کو کیچ کر لیا اور کچھ روہانسی
ہو کر بولیں۔ "میاں کیا کروں۔ لاکھ چاہتی ہوں کہ صبح بعد نماز ہی سے
چولہے میں گھس جاؤں کہ تم کو دیر سے ناشتہ نہ ملے مگر ــ وہ ننھے کو
دودھ اور دودھ پلاتے میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ اب کل سے اور سویرے
اٹھوں گی ــ!"

ظہیر صاحب نے صبر و سکون سے ان کی لن ترانی سنی اور پھر ایک ٹھنڈی
سانس بھر کے بولے۔ "یہ میں نے آپ سے نہیں کہا۔"

"پھر کیا کہا تھا۔" اتنا کہہ کر ان پر سخت رقت طاری ہو گئی۔ اپنی کمزوری
کا خیال کر کے بولیں۔ "بیٹے جہاں دُگنا دُون خرچ کرتے ہو وہاں ذرا میرے
لئے ایک کانوں کی عینک لا دو۔ تم کچھ اور کہتے ہو اور میں بہرا اللہ شاہ کچھ اور سنتی ہوں۔"
"کانوں کی عینک؟" ظہیر صاحب نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ وہ جو اپنے ہمسائے جلیبیوں والے لگا ٹے رہتے ہیں۔ اسی میں وہ ٹھیک سے سنتے ہیں۔ انہیں تو لنگوڑے کے سر پہ توپ کا گولہ چل جائے کیا مجال جو موئے کا رونگٹا بھی ہل جائے بیٹا میرا، مجلے اس کی صورتا ہمسائے کا خیال بھی نہیں کہ تنا بہبر خبر دو دوں میں ہوا میرا پانی ملتا ہے۔ تبھی تو کانوں پر بجلی گری ہے!"

ظہیر صاحب کے صبر کا پیمانہ بھر گیا۔ انہوں نے نانی کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے پاس جھک کر کہا۔

"میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ آپ ایک بار چچا کے ہاں کیوں نہ چلی جائیے۔ ان سے کہیے کہ ایک تاریخ دے دیں۔ اب آخر کب تک وہ برسی کا بہانہ کیے جائیں گی۔"

"برسی کر کے انہوں نے ایسی فقیر کھلا بھی دیئے!" نانی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "اب تو میں کہتی ہوں کہ کسی اور جگہ کا دھیان ہے جبھی انجانا انجان سی بن کے ملتی رہیں!"

"ہو چکی برسی؟" ظہیر صاحب کو سخت حیرت ہوئی۔

"ہاں کہہ رہا تھا شاید کہ ہو چکی!"

"لیکن ہمیں اطلاع ہی نہ ہوئی؟"

"نجانے کیوں نہ دی؟"

"یہی میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ ایک بار جائیے اور تفصیل سے پوچھ آئیے کہ کیا بات ہے؟ کیوں تاخیر کر رہی ہیں۔ ایک تاریخ دے دیں۔ اب شادی میں بے وجہ دیر نہ کرنی چاہیے۔ آپ کو آج فرصت ہو تو چلی جائیے!"

"کہہ دوں کہ تاریخ دے دیں؟"

"جی بس اسی قدر!"

"اچھا میاں۔ مگر ۔۔!"

"مگر؟" ظہیر صاحب نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"مانوگے نہیں۔ کہہ کے منھ کیوں خالی کروں؟" وہ کچھ خفا سی ہوگئیں

"مان لوں گا۔ آپ کہئے تو" وہ خفیف سا مسکرائے۔

"بیٹے۔ وہ اتنی پیاری لڑکی ہے۔" نانی نے کہا: روز آجاتی ہے۔ اب ثروت بوا کے گزرنے کے بعد اس گھر سے اس کا ناطہ ہی کیا رہا ہے۔ مگر وہ اپنی پرانی محبت نہیں بھولی۔ مجھے تو وہ اتنی اچھی لگتی ہے کہ تم میرے قابو کے ہوتے تو میں فقط شیرینی پر نکاح پڑھوا کے اپنے گھر میں بیاہ لاتی۔ میاں یقین کرو کہ وہ اس گھر میں آجائے تو سارے گھر میں اجالا کر دے گی۔ گھر سنبھال لے گی۔ میری بوڑھی ہڈیوں کو بھی آرام ملے گا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ تمہارا ٹھور ٹھکانہ ہو جائے۔ دل کو سکون ملے!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا" ظہیر صاحب بے حد اکتائے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"میاں۔ وہ میری سلمیٰ بٹیا سے کسی طرح کم نہیں سمجھتی اسے۔ دونوں لڑکیاں چاند سورج بن کر اس گھر میں آجائیں، تو کیا اچھا ہے۔ تم اگر کہو تو میں انکی آفاق میاں سے کہوں۔ وہ تو منھ پھیلائے بیٹھے ہوں گے۔ تم جھوٹوں اس کا ہاتھ طلب کرو گے تو وہ جھٹ ہاتھ پکڑا دیں گے! سچ مانو کہ مریم کی سی گرہست عورت بھی پھر نہ ملے گی اگر تم نے غفلت کی!"

ظہیر صاحب اٹھ گئے اور بات ٹال کر اس موضوع کو ختم کر کے بولے۔

"فی الحال آپ وقاص کی سوچئے۔ مجھے دوبارہ شادی وادی کے جنجال میں

پڑتا نہیں ہے۔ اب تو آپ کا گھر سلمیٰ ہی سنبھالے گی۔ کرایہ تو آپ کے پاس ہوگا۔
"ہاں!" نوخیز لڑکیوں کی طرح انہوں نے منھ پھلا کر کہا۔
"میں آپ کے لئے آپ کے کانوں کی عینک لے آؤں گا!" ظہیر صاحب نے انہیں پچکارا اور جیب میں لائٹر ٹٹولتے ہوئے چلے گئے!
ان کی پیٹھ پھری تھی کہ بڑے دروازے سے وقاص اندر آیا۔ پوری گفتگو اس نے سنی تھی اور اس کا چہرہ "مسرت و فکر" کے ملے جلے جذبوں سے سرخ ہو رہا تھا۔ مسرت اس لئے کہ ظہیر صاحب نے مریم سے کسی بھی لگاؤ کا اظہار نہ کیا تھا۔ فکر اس لئے کہ وہ اب اس کی شادی کر ہی دینے پر تلے بیٹھے تھے! شادی کے نام ہی سے وقاص کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے!
اس کی شکل دیکھ کر نانی نے دل کا غبار نکالنا شروع کر دیا۔ انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لئے وہ سر ہلا ہلا کر ان کی ہر بات کی تائید کرتا رہا۔ نانی نے ظہیر صاحب کو بھنبھیری، حسن کا بے کہے کا، بے پرواہ اور گھر بار سے غافل کہا تھا۔ وقاص نے کہا تھا کہ بے شک وہ ایسے ہی تھے۔ جب نانی اس کی بھنبھیری پر آگئیں تو اس نے اس طرح کہ صرف نانی کے کانوں تک بات رہے۔ انکی کنپٹی پر ٹھوڑی ٹکا کر یا ناک رکھ کر بولا۔
"نانی۔ میرا کہا مانیئے کہ آپ چچی کے ہاں نہ جائیے!"
"نہ جاؤں۔ اور تمہارے بھیا کو کیا جواب دوں۔ باؤلا ہوا ہے لڑکے؟"
"اچھا ایک بات میں کہوں گا تو آپ سچ نہ سمجھیں گی!"
"کیا بات ہے موئی! (لڑکا) یہ کچھ لڑکوں کی الٹی سیدھی بکواس میں میں تو کیڑا انگی چینے کی دیول کی طرح پسی جا رہی ہوں۔" وہ بگڑنے لگیں۔
"کیا بات ہے منحوس مار ہی؟"

"آپ کا وہاں جانا اس لئے بیکار ہے کہ مجھ سے سلمیٰ کہہ چکی ہے ابھی وہ راضی نہیں ہے شادی پر !" دل کڑا کر کے دقاص نے ایک عظیم الشان جھوٹ لڑھکا دیا۔

"چل ہٹ جھوٹے !"

"کہہ ہی رہا تھا کہ آپ مجھے جھوٹا سمجھیں گی۔ مگر حقیقت میں نے آپ سے بیان کر دی۔ میرا کیا ہے جائیے اور جواب سن کے آجائیے !"

"مگر اس منھ مری بے زبان لڑکی نے یہ کہا کیوں ؟ کیسے کہا ؟"

"مجھ سے کہا تھا کہ ابھی وہ پڑھائی مکمل کرے گی چونکہ اپنی امی اور ہمارے بجیا سے ڈرتی ہے اس لئے فقط مجھ سے کہہ دیا تھا! اور خوشامد بھی کی تھی کہ یہ راز کی بات صرف نانی اماں ہی سے کہہ دو۔ وہ بے حد اچھی ہیں۔ مجھے بہت چاہتی ہیں لہٰذا مجھے برا بھلا کہے بغیر میری بات مان لیں گی۔"

"نانی کو سخت ناگوار گزرا۔ "یہی تو کہتے ہیں کہ صورت سے مزاج نہیں پہچانا جاتا ! ارے میں تو سلمیٰ کو یوں نہیں سمجھتی تھی۔ لو بھلا لڑکی ذات نے ہونے والے میاں سے کہہ دیا ابھی بیاہ نہ کرو۔ واہ شرم نہ لگی اسے ذرا بھی ۔چار کلاسیں پڑھ کے اس نے بارہ ہاتھ کی زبان کر لی ہے۔ شرم حیا اٹھا کے طاق پے دھر دی ہے اب اور زیادہ پڑھے گی تو کیا کرے گی ؟ اچھی بات ہے۔ کیا میں اس کی اماں سے بیٹی کی بات نہ کہوں گی۔ رہ جائیں!"

دقاص بے قصور سلمیٰ پر لعنت ملامت کے ڈونگرے برستے دیکھ کر سخت شرمندہ تھا۔ اسے گناہ کا احساس ستا رہا تھا لیکن مریم کی یکطرفہ محبت نے ضمیر کی چبھن کی اذیت بھی کم کر دی تھی! وہ خاموش بیٹھا رہا۔ نانی بڑبڑاتی رہیں۔

"اب شام کو ظہیر میاں پوچھیں گے کہ کیا خبر لائی ہو تو کیا کہوں گی؟
کہہ دوں کہ پڑھی لکھی لڑکی نے اپنے منھ سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔"
"نہ نہ خدا کے لئے ایسا غضب نہ کیجئے گا۔" وقاص گڑبڑا گیا۔ "کیا
آپ سلمیٰ کو سب کا تماشہ بنانا چاہتی ہیں۔"

"ارے تو پھر آخر ہوگا کیا؟" ابکی وہ پھٹ پڑیں۔ "کب تک میری
بوڑھی ہڈیوں کا تماشہ بنتا رہے گا۔ کب تک میں تمہاری گرہستی سنبھالتی
رہوں گی۔ مجھ جنم جلی کی صورت پر مٹی پڑے۔ ارے میرا ہی کوئی لگا سگا
مرا ہوتا تو میں یہ جنجال چھوڑ کے چلی جاتی۔ اب نہیں ہوتا مجھ سے کوئی کام!"

وہ بلند آواز میں چلاتی رہیں۔ لیکن وقاص کے کانوں میں ان کی
آواز پہونچ ہی نہ رہی تھی۔ وہ تو یہی سوچ رہا تھا! اب مریم کی آمد
میں کتنی دیر ہے۔ وہ تو مسلسل آرہی تھی! اور ٹھیک لگی بندھی خادمہ کی
طرح کھانا پکا کے گھر کی صفائی کر کے بے کہے سنے چلی جاتی تھی! پچھلی
شام وہ نانی سے آنے کا وعدہ کر گئی تھی! اور اب دن کے دس بجے تھے
دوپہر کے کھانے کی تیاری کے لئے وہ اسی وقت آ جاتی تھی! ان دنوں
خانساماں بھی آنے لگا تھا۔ وہ مریم کا ہاتھ ضرور بٹاتا تھا لیکن پکاتی
وہی تھی! اور وقاص کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ یہ خدمت کیوں کرتی تھی۔
ظہیر صاحب کو تو شاید خبر بھی نہ تھی کہ مریم روز آتی ہے۔ لیکن آج؟ وقاص
کا دل سرد ہونے لگا!

آج تو اتوار ہے اور ابھی کچھ ہی دیر بعد بھیا بھی آتے ہوں گے!
پھر؟ پچھلی شام وہ ایک عمدہ بروچ خرید لایا تھا اور بہر صورت وہ مریم
کی نذر کرنے والا تھا۔ لیکن بھیا کی موجودگی میں وہ اس قسم کی جسارت

نہ کر سکتا تھا! وہ مایوس اور رنجیدہ ہونے لگا پھر ایک خفیف سا ڈر اس کے دل میں اتر آیا۔ اس کے جھوٹ کا پول اگر کھل گیا۔ سلمیٰ نے کسی سے کہہ دیا کہ اس نے ایسی بے جھجک بات کبھی سے نہ کہی تھی۔ تو پھر۔ ؟ اور یہ ساری الٹ پھیر وہ آخر کس لئے کر رہا ہے۔ بے بنیاد سے ایک "عشق" پر۔ جو فی الحال یکطرفہ ہے۔ ابھی تک مریم سے وہ کچھ۔ نہ سکا تھا اور کہہ سکنے کی ہمت بھی اس میں نہ تھی! تو پھر یہ آگ جو۔ نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟ اتنا سب کچھ سوچنے کے باوجود وہ خود کو قائل نہ کر سکا اور پھر کسی امید پر اپنا پسندیدہ لباس سفید پاجامہ وململ کا سفید کرتا پہن کے شاموں کے سے بال پیشانی پر بکھیر کے اور باہر کا پرفیوم خود پر چھڑک کے برآمدے میں آ بیٹھا ہر آہٹ پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ جاتا۔ ہر آواز پر امید و بیم کے پھول کھلنے مرجھانے لگے!"

اس کے دل میں خیالوں کی ریس لینا بھی جاری تھی۔ کیا ہو گا؟ کیا ہو گا؟ کوئی سلسلہ کیسے چلا جا رہا تھا۔ ایک طرف اسے سلمیٰ کی رسوائی کا خیال ستا رہا تھا۔ دوسری طرف ظہیر صاحب کا خوف۔ اور ان سب پہ مستزاد اپنی بے بسی کا احساس جو اسے رلا دینے کو کافی تھا!

پھر وہ جھنجھلا کر اور خفا ہو کر بڑبڑایا۔ اب اس سینٹ کی مسحور کن مہک اڑ جائے گی تب آئے گی۔ مگر دیکھو۔ آج اتوار ہے آئے کہ نہ آئے؟

دفعتہً وہ اچھل پڑا۔

صحن سے شاید کے ننھے منے جاں بخش قہقہے کی آواز آئی اور اس قہقہے میں گھلی ملی ایک مترنم سی جانی پہچانی ہنسی کی جھنکار۔ وہ خاص حیران ہو کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"یہ کب آئی؟ اور میں بےوقوفوں کی طرح یہاں بیٹھا ہر راہرو کا منہ دیکھ رہا ہوں۔ اُلٹی سیدھی ہلکی بھاری آہٹوں کو گن رہا ہوں۔" وہ مسکرایا۔ بےشکن لباس کی نامعلوم سی شکنیں مزید صاف کیں، نہایت مہارت سے بال بکھرائے! آستین ناک پر رکھ کر سانس کھینچی! خوشبو اڑی نہ تھی۔ کم از کم اتنی نہ اڑی تھی کہ دوسروں کو محسوس نہ ہوتی! اور پھر بےفکری کی اداکاری کرتا ہوا گنگناتا ہوا صحن میں آیا۔ پھر مزید اداکاری کر کے حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہائیں، آپ۔ کب آئیں آپ؟"

مریم کا لباس اس کے لباس سے مل گیا تھا۔ وہ بھی دودھ کے سے سفید ریشمی لباس میں لپٹی بےحد حسین ہو رہی تھی۔ آج وہ ایک کھلونا ہیلی کاپٹر نشید کے لئے لے آئی تھی۔ وہ اسے اڑا رہی تھی! اور نشید اس کھیل سے محظوظ ہو کر تالیاں بجا رہا تھا! وقاص نے بڑھ کر نشید کو اٹھا لیا مگر وہ چیخ کر اور مچل کر اس کی گود سے اتر گیا اور کھلونے کی طرف لپکا!۔ وقاص نے مریم سے کہا۔

"آپ سے تو یہ اتنا ہل گیا ہے کہ اب ہمارے پاس آتا ہی نہیں۔ معلوم نہیں اس کی کب کی جان پہچان ہے!"

"اس کی پیدائش سے پہلے کی جان پہچان ہے۔" مریم ہنس دی۔

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے ناشتہ کر لیا؟"

"کیوں؟"

"آج نانی نے زوردار ناشتہ تیار کیا تھا! کہئے تو لے آؤں۔ پوریاں اور تلے ہوئے گنڈے۔"

وہ ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا اور اپنے خبطی پن کا اسے احساس تھا کہ وہ اُلّو ہوا جا رہا ہے! نہ کہنے والی باتیں غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکل رہی ہیں۔

"آپ آرام سے بیٹھ جائیے۔" مریم نے مسکرا کر کہا۔ "نانی نے مجھے کافی پلا دی ہے! ویسے بھی میں زیادہ گوشت نہیں کھاتی گھن لگتی ہے مجھے!"

"کمال ہے۔ گوشت میں بھی نہیں کھاتا اگر ہمارے بھیا کا حال یہ ہے کہ گوشت نہ ہو تو وہ کھانا ہی نہیں کھاتے۔" وقاص نے گفتگو کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے کہا۔ "بعض لوگ گوشت خور زیادہ ہوتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جو صفائی خوشبو اور پاکیزگی سبزیوں میں ہوتی ہے گوشت میں کہاں سے آسکتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"وقاص صاحب۔ یہ تو اپنی اپنی لیند کی بات ہے نا!"

"یہ آپ مجھے وقاص صاحب کیوں کہتی ہیں؟"

"پھر کیا کہوں؟" وقاص کی بے تکی باتوں پر مریم کو ہنسی آجاتی تھی اور یہ ہنسی ایک غلط فہمی کی تمہید بن جاتی تھی۔ ویسے مریم کو اس سے بات چیت میں تکلف اس لئے نہ تھا کہ دعا نے سلمیٰ سے معلوم کر لیا تھا کہ وقاص دعا کا منگیتر تھا اور یہ بھی اسی نے کہا تھا کہ جلد ہی اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اس کے گھر میں ظہیر صاحب کا انتظار ہو رہا تھا۔ اس کا جہیز، وقاص کی سلام کرائی سب کچھ اس کے ہاں تیار تھا۔ بس دیر یہ تھی کہ وقاص بارات لائے اور اسے رخصت کرا لے جائے! وقاص کے آنے میں تاخیر کیوں ہو رہی تھی۔ اس کی وجہ معلوم کرنے سے سلمیٰ کے گھر والے قاصر تھے۔

اتنی تفصیلی معلومات مریم نے سلمیٰ سے معلوم کر لی تھیں۔ وقاص کی سلمیٰ نے بہت سی تعریفیں کی تھیں۔ باتونی تھا، ضدی تھا، مخلص تھا، محبت کرنا جانتا تھا اور یہ کہ سلمیٰ اس کی پسند تھی۔ وہ اسے ہمیشہ چھیڑتا ستاتا اور اس کی خفگی سے لطف لیتا تھا۔ پھر اتنا سب معلوم کر کے مریم کے دل میں رائی برابر بھی شبہ پیدا نہ ہوا کہ وقاص کی اس سے دلچسپی کچھ اور مفہوم رکھتی تھی۔ وہ اسے سلمیٰ کی امانت اور ظہیر صاحب کا چہیتا چھوٹا بھائی سمجھ کر نہایت بے تکلفی اور یگانگت سے بات چیت کرتی تھی۔ جس کے معنی وقاص ہمیشہ اپنے مطلب کے نکال لیتا تھا!

مریم کی مدھر ہنسی پر جھوم کر وقاص بولا۔ "بس آپ بھی سب کی طرح مجھے نام ہی سے مخاطب کیجئے یہ صاحب واہب کا تکلف مجھے اچھا نہیں لگتا!"

"اور بے تکلفی سے مخاطب کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا!"

"دیکھئے نا؟ اب ہم میں اتنی اجنبیت کہاں ہے؟"

"کچھ تو ہے!"

"میں چاہتا ہوں کہ اتنی بھی نہ رہے!"

"نہ رہے گی جب سلمیٰ آپ کی دلہن بن کر اس گھر میں آجائے گی!"

"اوخ۔ ابھی موضوع کو رہنے دیجئے۔" وقاص نے ہاتھ ہلا کر اس کی بات کاٹی۔ "یہ تذکرہ مجھے ہمیشہ الجھن میں مبتلا کر دیتا ہے!"

"آپ عجیب آدمی ہیں!" مریم نے کہا۔

"بھیا بھی عجیب آدمی ہیں۔"

"اب یہ بیچ میں ان کا کیا تذکرہ نکال لیا آپ نے؟"

"وہ بھی شادی دادی کی باتوں سے بارہ کوس دور بھاگتے ہیں!"

"ان کے ساتھ تو ایک بڑی ٹریجیڈی ہو گئی اس لئے اب وہ اس تذکرے سے الجھتے ہیں۔" مریم نے کہا۔ "مگر آپ کی شادی کی باتوں میں ظہیر صاحب بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ میں نے سلمیٰ کی امی سے انہیں باتیں کرتے سنا ہے۔"

"ہاں خوب یاد آیا۔ یہ سلمیٰ سے آپ کی دوستی کب سے ہو گئی! مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ آپ دونوں بھی آپس میں اتنی دوست ہیں۔ اس نے بھی کبھی ذکر نہ کیا!"

"ہم تینوں ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے!" مریم نے جواب دیا۔

"لیکن بھابی تو شاید اس کی ہم عمر نہ تھیں!"

"میں بھی نہیں ہوں۔ سلمیٰ مجھ سے دو تین سال ضرور چھوٹی ہے۔" مریم نے کہا۔ "کالج کی لائبریری میں ہماری دوستی کی بنیاد پڑی تھی ہمارا ذوق اور پسند ایک تھی۔ اسی بنیاد پر سلمیٰ میری دوست بن گئی۔ بہت اچھی بچی ہے۔ آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ سلمیٰ آپ کی زندگی میں آرہی ہے۔ میں جانتی ہوں۔ وہ بے حد مخلص، وفا شعار، محبت کرنے والی بچی ہے۔ دفا حسن صاحب۔ اس کی قدر کیجئے!"

اس کی تقریر ان سنی کر کے دفا حسن نے کہا۔ "ہاں۔ بھابی کی زندگی میں آپ یہاں آئی تھیں تب بھیا کو کیا کہہ کے مخاطب کرتی تھیں۔"

"ظہیر صاحب کہہ کر۔" وہ پھر ہنس دی۔ "کیوں؟ آج آپ کو اس کی بہت فکر لگ گئی ہے کہ کس کو کیا کہتی تھی؟ کیا بات ہے؟"

"بھیا کو بھیا نہیں کہتی تھیں؟" وہ اس کی خاطر ہنسنے لگا۔

"نہیں! ان رشتوں پر میرا اعتبار نہیں رہ گیا۔ یہ رشتے اپنی تقدیس

عظمت اور مفہوم کھو چکے ہیں؟" مریم کے لہجے میں تلخی تھی۔
"لیکن بھائی کا رشتہ تو غالباً ___ !" دقاص کچھ کہنے چلا تھا مریم نے اس کی بات نہ سنی اور بدستور تلخی سے بولی۔
"اب میرے بھائی ہی کو دیکھ لیجئے مگر نہیں۔ مجھے ان کی کوئی برائی نہیں کرنی ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ___ ان کی امی کے گزر جانے کے بعد کئی برسوں بعد میرے ابا نے میری امی سے نکاح کر لیا تھا۔ اس وقت آفاق بھائی کی عمر پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی انہیں اپنے والد کے جذباتی اقدام سے سخت صدمہ پہونچا۔ چنانچہ میری امی کو انہوں نے اپنی ماں کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کیا۔ ان سے ہمیشہ متنفر رہے۔ حالانکہ اس میں امی کا کیا قصور تھا۔ وہ لائی گئی تھیں۔ آئی نہیں تھیں۔ بھائی صاحب کے نفرت انگیز سلوک نے امی کو بھی بہت جلد موت کے گھاٹ اتار دیا حالانکہ اب بھائی صاحب کا برتاؤ مجھ سے ٹھیک ہے۔ لیکن ان کی بیگم صاحبہ کو میرا وجود بیکار بوجھ لگتا ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔ اسی لئے میں بھی زیادہ تر ان کی نظروں سے دور دور رہتی ہوں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں کیسی عجیب سی زندگی ہے۔ خانہ بدوشوں کی سی!"
دقاص بے حد متاثر ہو کر بولا۔ "اُف فوہ۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپکے اس تبسم کی چاندنی کے پیچھے آنسوؤں کی شبنم پوشیدہ ہے۔ آپکی محرومی نے مجھے رنجیدہ کر دیا ہے۔ کاش میں کچھ کر سکتا آپ کے لئے۔ ویسے کیا آپ کی کوئی بہن یا بھائی نہیں ہے؟ کوئی آپ کا اپنا ہمدرد ہم خیال؟"
"ایک چھوٹا بھائی تھا!" مریم نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔
"اشفاق احمد۔ لیکن وہ ابھی حال میں بارہ سال کا ہو کر ختم ہو گیا۔

"بارہ سال کی عمر میں۔ کیسے؟" وقاص نے پوچھا۔
"اسے بڑا نامبارک مرض تھا۔ اس کے دل میں سوراخ تھا۔ کسی کو پتہ ہی نہ چلا۔ جب اس کی طبیعت زیادہ بگڑی۔ تب بھائی صاحب نے بڑی دوڑ دھوپ کی لیکن دیر ہو چکی تھی پھر بھی امراض قلب کے ماہرین نے آپریشن کا رسک لیا تھا۔ لیکن وہ شاید اتنی ہی زندگی لے کر آیا تھا۔ آپریشن کی تکلیف اٹھانے سے پہلے سکون کی نیند سو گیا۔" وہ یکبارگی چپ ہو گئی!

"مجھے افسوس ہے۔" وقاص نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کے ماضی کی یاد تازہ کر کے میں نے آپ کے زخم ہرے کر دئیے ہیں میرا مقصد یہ نہ تھا۔ اب دیکھیے کہ آپ کا سا حال میرا بھی تو ہے۔ میرا دل بھی تو زخمی ہے۔ میرے ماں باپ مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔ بھابی سگی بہن کی طرح چاہتی تھیں، وہ چل بسیں، اگر میں سب کی یاد میں آنسو بہانے بیٹھ جاؤں، تو میری ساری زندگی آنسوؤں میں ڈوب جائے گی۔ لیکن اس سے حاصل کیا ہوتا ہے؟ مرنے والوں کا غم ایک طرف۔ انہیں تو وہ روئے جسے خود کبھی مرنا نہ ہو۔ میں تو یہ سوچ کر عجیب سا روحانی سکون محسوس کرتا ہوں کہ ایک دن میں مر کے اپنی امی اپنے ابا سے ملوں گا۔ تب یہ روشن اور وسیع کائنات مجھے تنگ و تاریک زنداں معلوم ہونے لگتی ہے محترمہ مریم! دنیا چند روزہ۔ ہماری زندگی کا عرصہ بڑا مختصر ہے۔ زندگی جو خدا کا تحفہ ہے۔ لہٰذا اسے شاد و ناشاد گزارنا ہی ہے۔ میرا اصول تو یہی ہے کہ اپنے غموں کو میں اپنی مصروفیات پر حاوی ہونے نہیں دیتا! اور بس مگن رہتا ہوں۔"

"ہاں!" رواداری میں رسمی طور پر مریم نے کہا "یہی اصول ٹھیک ہے۔"
"اب آپ کا نصب العین کیا ہے؟" وقاص نے پوچھا۔
"سروس!"
"کس قسم کی سروس؟"
"ابھی تو کسی قسم کی بھی نہیں تھی۔ یہ یہاں بھی دغا دے گئی ہے۔"
"کیسے دغا دے گئی؟ کہیں ملی نہیں سروس!"
"ضرور ملتی، مگر غلطی تو مجھ سے ہوئی۔"
"بلیئر۔ بتائیے نا۔ بتانے میں کیا حرج ہے؟" وقاص جو اس کی محبت اور ہمدردی میں اور بھی ڈھیر ہو گیا تھا، گھگھیا کے بولا "کیا ان لوگوں نے رشوت طلب کی تھی۔ یا پھر۔"
"ایسی کوئی بات نہیں تھی" مریم ایک بار چہرہ جھکا اور متبسم دکھائی دینے لگی۔ "ملازمت تو مجھے مل جاتی۔ ذرا کچھ بس میں پی۔ ایس۔ سی۔ ہو جاتی۔ مجھے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ لیکن ایک غفلت مجھ سے یہ ہوئی کہ میں نے ایک پرچہ مس کر دیا اور فیل تھا۔ دو میں میرا نام آگیا اب مزید تین ماہ تک مجھے بیکار رہنا ہے۔ آپ کا رزلٹ کب آرہا ہے؟"
"اطلاع تو یہی ہے کہ آج کل میں آجائے گا!"
"آپ کا ارادہ شاید باہر جانے کا بھی ہے؟" مریم نے پوچھا۔
"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"
"سلمیٰ نے کہا تھا" "وہ تو بہت خائف اور اداس تھی!"
"آخ! سلمیٰ! سلمیٰ!" برا سا منہ بنا کر وقاص نے کہا "وہ بالکل

احمق ہے۔ کچھ جانتی بوجھتی نہیں۔ بے پر کی اڑاتی پھرتی ہے میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"سچ مچ!؟"

"جی ہاں!"

"اچھا کیا آپ نے!"

"کیوں؟ آپ کو میرے نہ جانے سے خوشی ہوئی ہے؟"

"کچھ تو؟"

"کیوں؟" وقاص نے امید بھری نظریں اس کے شگفتہ گلاب کے سے چہرے پر لگا دیں۔

"ارادے دنیا کے جاہ و منصب اور زر و مال کے حصول کے لئے باندھے جاتے ہیں۔ وہ پورے بھی ہو جاتے ہیں۔" مریم نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "لیکن اس کے لئے کسی کے دل کو دکھانا، کسی کی زندگی کو اداسیوں کے حوالے کرنا اور امیدوں کو مجروح کرنا گناہ ہے۔ مال و دولت آنی جانی چیز ہے۔ دل ٹوٹتا ہے تو پھر کبھی نہیں جڑ سکتا! آپ بہت اچھے آدمی ہیں جو کسی کا دل نہیں دکھائیں گے!"

"ہاں۔ لیکن کس کا دل!" دل کی دھڑکنوں اور مچلتی ہوئی آرزوں کو قابو میں کر کے وقاص نے پوچھا اور ہمہ تن گوش بن گیا کہ اب مریم اس کا ہاتھ تھام کر یہی کہے گی کہ "میرا دل۔ وقاص میرا دل توڑ کر نہ جاؤ!" مگر اس نے بڑی دلسوزی سے کہا۔ "سلمیٰ کا دل۔ بہت پریشان تھی۔ کہہ رہی تھی۔ وقاص باہر چلے گئے تو میں کیسے جی سکوں گی۔ آپ کو بہت چاہتی ہے۔ بیچاری!"

وقاص یک بیک غصے میں بھر گیا۔ وہ مٹھّہ پیچھے سلمیٰ کو بے نقط سنانا چاہتا تھا مگر سنبھل گیا۔ کیا سوچے گی مریم؟ کتنا وحشی اور اُجڈ تھا یہ آدمی؟ اس نے تھوک نگل کے حلق تر کی اور کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا!

پھر وہاں خانساماں کا بھدا چہرہ دکھائی دیا۔ مریم کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا "سب کچھ تیار کر کے رکھ دیا ہے بی بی۔ اب آپ آیئے تو ۔"

مریم اٹھنے لگی۔ ہوش میں آ کر وقاص بھی کھڑا ہو گیا اور ایک سکنڈ مذبذب رہ کے بولا "اب آپ کچن میں جا کے غروب ہو جائیں گی مم۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔"

"میں ضرور سنوں گی، مگر ابھی نہیں!" مریم بولی اور بچے کو دوسرے کھیلوں میں مشغول کر کے باورچی خانے میں آئی۔ نانی اماں ایک طرف بیٹھی چپکے چپکے رو رہی تھیں، آنسو پونچھ رہی تھیں! حیرت کی بات تھی۔ مریم ان کے پاس آئی اور سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ بس گنگا جمنا کی روانی میں تیزی آ گئی! انہوں نے ایک سسکی بھی لی تھی۔

مریم نے آنسو پونچھے اور بے حد پیار سے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی! نانی نے بھی نفی میں سر ہلا دیا اور آہیں بھرتی رہیں۔

"آپ مجھ سے نہ کہیں گی نانی؟ میں کوئی غیر ہوں۔" مریم نے کہا "بتایئے نہیں تو پھر کام کاج میں میرا دل خاک لگے گا۔ کیا ہوا ہے۔ نانی آپکے آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہے ہیں!۔"

بمشکل تمام ان کے آنسوؤں کی روانی رکی اور زبان کو اذنِ گویائی ملی۔ تو سنے بکھرے لہجے میں بولیں "کہتے بن نہیں پڑتا بیٹی۔ ان دونوں بھائیوں نے مل کر میری بڑھی زندگی دشوار کر کے رکھ دی ہے۔ اب تو

موت ہی آجائے تو زندگی سعادت ہو۔ کہاں جا کے مری ہے نامُراد کہ آتی ہی نہیں چلتی!''

''کون؟''

''موت!''

مریم نے ہونٹ بھینچ کر ہنسی روکی۔ نانی نے آہ بھر کر کہا ''مری جاتی ہوں۔ یہ سوچ سوچ کر کہ میاں کو کیا جواب دوں گی۔ اب وہ آتے ہوں گے جواب کچھ نہیں سوجھ رہا ہے۔'' اتنا کہہ کے انہوں نے پھر گریہ وزاری کی وجہ تفصیل سے سنا دی۔ مریم گُم صُم سی ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر سلمیٰ نے وقاص کو نا رشتہ لینے سے کیوں روک دیا تھا۔ وہ بڑے ارمانوں سے وقاص کی باتیں کرتی تھی! اس کا نام لیتے اس کا چہرہ کھل جاتا تھا! اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ سلمیٰ زیادہ لکھی پڑھی نہ تھی۔ جب اس کی تعلیم کا سوال ہی نہ تھا تب سلمیٰ نے یہ حماقت کیوں کی تھی؟ اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آسکی!

نانی اماں کی پریشانی کم کرنے کی خاطر اس نے کہا۔

''آپ مطمئن رہیے! میں ظہیر صاحب سے کہہ دوں گی!''

''ایسا غضب نہ کرنا'' نانی نے وحشت سے کہا ''میں نے وقاص کو بھی منع کر دیا ہے۔ میں تو جی نہ سلمیٰ کی بدنامی برداشت کروں گی نہ یہ اچھا لگے گا کہ ظہیر میاں کچھ وقاص کو کہہ دیں''

''پھر آخر یہ پریشانی کیونکر حل ہو گی؟''

''میں کہہ دوں گی۔ اس جھنجھٹ میں مجھے نہ ڈالو۔ جو کچھ کہنا سننا ہو تم آپ کہہ سن لو۔'' اتنا کہہ کر وہ بھی کسی سوچ میں گم ہو گئیں!

ایک بجتے بجتے ظہیر صاحب آ گئے! سب سے پہلے ان کی نظریں برآمدے کی طرف اٹھ گئیں، جہاں مریم، اخلاص اور نشید تھے۔ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے! ظہیر صاحب کو دیکھ کر چپ ہو گئے! ان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے! ایک لمحہ کے لئے وہ دہلیز پر ٹھٹکے تھے۔ اسی وقت وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے! ظہیر صاحب الٹے قدموں واپس لوٹے اور باہر سے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے! نانی اماں جو تخت پر ترچھی بیٹھی تھیں بوکھلا کر باورچی خانے میں! بہو بیگم ان کی جان نہ تھی۔ لڑکا ان کے پاس ظہیر صاحب کی ڈاکٹری کا پیام لئے پہنچ گیا! بدحواسی میں چہرہ فق تھے وہ ان کے پاس پہنچیں اور مجسم تم بن کر بیٹھ گئیں! ظہیر صاحب نے ایک کیس ان کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کے کانوں کی عینک!" انہوں نے کچھ بلند آواز میں کہا اور مسکرانے لگے! بچوں کی طرح وہ خوش ہو گئیں۔ "اب مجھے سب کچھ سنائی دے گا!"

"یقیناً سنائی دے گا! آپ اسے لگا لیجئے!" ظہیر صاحب نے کہا اور ڈبہ کھول کر آلۂ سماعت نکالا اسے سیٹ کر کے نانی اماں کے سر پر کس کر ڈھکنے سے کانوں پر لگا دیے! پھر قدرے زور دے کر پوچھا!

"کچھ فرق معلوم ہو رہا ہے کہ نہیں؟"

"اے بیٹا! جیتے رہو دنیا تک جیو، سلامت رہو۔ اب تو زمین آسمان کا شور میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔ کب سے سناٹوں میں گم تھی! کچھ اور باتیں کرو مجھ سے، سنوں کہ کیا کہہ رہے ہو!"

"اب آپ اسے لگائے رہئیے، خود بخود سب کچھ سن سکیں گی۔"

ظہیر صاحب نے کہا پھر ان کے پاس آ بیٹھے اور پوچھا۔

"آپ شاید جواب لے کے جلدی چلی آئیں نانی اماں!" انہوں نے سگار سلگا کے ایک خوشبو دار دھوئیں کا بادل چھوڑا۔ "کیا کہا چیف نے؟"

"نانی نے صورت لٹکا لی۔ "بیٹے میں کچھ کہہ ہی نہ سکی!" نانی نے بڑی آسانی سے ان کا کہا سن لیا تھا لہذا معاملے کے بحال ہونے کی مسرت میں پرسش کا خوف ختم ہو گیا!" قدسیہ بی بی سے تو بات کرو۔ میری سمجھ میں کچھ آتا نہیں۔"

"کیا نہیں آتا سمجھ میں۔ آپ کو وہاں جا کر صرف ایک جواب لے آنا تھا۔"

"ابھی کوئی جواب سردار نہ دے گا!"

"کیوں؟"

"ابھی سلمٰی کی تعلیم باقی ہے۔" جان پر کھیل کر نانی نے کہا۔

"مگر وہ تو کچھ پڑھ نہیں رہی ہے؟" ظہیر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"اب یہ میں کیا جانوں؟"

"لیکن یہ آپ نے کہا کس سے ہے؟ آپ جا کے پوچھ تو آئیے آخر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ ان کا منشا کیا ہے؟ سچی بھی مگر مجھے یہ باتیں نہیں آتیں! نانی آپ نے کچھ غور کیا ان سب کی خاموشی کا مطلب کیا ہے؟"

کتنے سوال ظہیر صاحب نے کر دیئے! نانی نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں! ایک چکر تو لگا کے آئی ہوں۔"

وہ خاموش ہو گئے۔

"کھانا لگواؤں؟" نانی نے ان کا موڈ درست کرنے کے لئے پوچھا۔

"میں کھا لوں گا مگر یہ مریم آج پھر آ گئی ہیں! کیا آپ انہیں بلواتی ہیں؟"

ان کے لہجے میں ناگواری مترشح تھی!

"نہیں تو وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر روز آتی ہے میں کیوں بلواؤں. چونکہ وہ پھوپھی جی کی دوست ہے! اس لئے؟"

"وہ میں جانتا ہوں!" وہ رہبر کہ انہوں نے بات کاٹ دی لیکن اس طرح روز آ کے گھر کا کام کاج کرنا ان کا فرض نہیں ہے۔ وہ میرے دوست کی بہن ہے کیا یہ ہمارے لئے قابلِ احترام نہیں۔ کیا آپ آفاق صاحب کو اعتراض کرنے کا موقعہ دینگی آپ دوستی کیا نبھا رہی ہیں؟"

"کیسے منع کر دوں۔ اسے برا نہ لگے گا کہ —!"

"مگر بیگم!" ظہیر صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "اگر وہ آتی بھی ہیں تو ان سے کام نہ لیا کیجئے بیٹھنے دیا کیجئے آخر کیا کرنا رہتا ہے؟"

وہ خاموش ہو گئیں!

وقاص اپنے بھائی کی خشمگیں نظریں پہچان کر برآمدے میں کھسک گیا تھا۔ اور سلمیٰ بھی نانی کے کمرے میں جا کے بیٹھ گئی تھی۔ وقاص نے باہر ہی سے کن سوئیاں لینے کی کوشش کی تھی لیکن ظہیر صاحب کی غصہ بھری آواز کے سوا کچھ نہ سن سکا!!

وقاص کی چچی نے مسلسل انتظار کے بعد خود ہی بیٹی کی ہونے والی سسرال جانے کی ٹھانی! انہیں حیرت تھی آخر ادھر سے کوئی کیوں نہیں آ رہا؟ سلمیٰ کے بڑے بھائی نے کہا "آپ جا کے کہیں گی کیا؟ اپنی طرف سے

اس قسم کی بات کہنا کیا شبک ہونا نہیں ہے؟ ذرا آگے تو چلیے سوچ سمجھ کے جائیے گا۔۔!"

"تم بھی ساتھ چلو!" ادھر ادھر کی باتیں کرتے پوچھ بیٹھے۔ "ان کی طرف سے تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟"

"ظہیر بھی عرصے سے نہیں آئے! معلوم نہیں کیا بات ہے؟ دراصل ان کے ہاں کسی عورت کے نہ ہونے سے بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ اب مردوں کو یہ شادی بیاہ کی باتیں کرنا کہاں آتا ہے!" منصور صاحب نے کہا۔ "خیر چلئے۔ چلتے تو ہیں؟"

لیکن وہ ابھی جانہ سکے تھے کہ سلمٰی سے ملنے مریم آگئی!۔

سلمٰی کے بڑے بھائی منصور صاحب نے اس سے کہا۔ "بھئی تم خوب آگئیں مریم! اب ذرا ظہیر صاحب کے گھر کے حالات تو سناؤ! تمہی سے کچھ معلوم ہو سکے کہ وہاں سناٹا کیوں ہے؟ ایک عرصہ سے وہ یہاں نہیں آئے خفا ہیں کچھ؟"

مریم نے دکھ سے سوچا۔ بجائے سلمٰی کے جی میں کیا سمائی ہے کہ اسنے خود وقاص سے سلسلہ جنبانی کرنے کو منع کر دیا ہے اور انہیں ان حالات کا پردہ پوشی کی التجا بھی کی ہے۔ اب یہ بات وہ منصور صاحب سے کہہ نہ سکی بلکہ گول مول انداز سے بولی۔ "ارے بھائی صاحب! اگر خالہ جان زندہ ہوتیں تو میں ان سے کچھ کہہ سن سکتی۔ اب یہ ظہیر صاحب سے کیونکر پوچھ سکتی ہوں۔ آپ لوگ جارہے ہیں نا۔ ٹھیک ہے۔ معلوم کر آئیے گا کہ معاملہ کیا ہے؟"

"وقاص کا رزلٹ نکلا نہیں ابھی تک؟" منصور صاحب نے پوچھا۔

"دیکھ تو رہے تھے۔ امروز فردا میں نکل آئے گا!"

پھر وہ بڑی بی اور مسعود صاحب سے جان چھڑا کر سلمیٰ کے پاس آئی! شاید وقاص کی بے رخی کا اثر تھا یا کوئی اور بات تھی۔ سلمیٰ گم صم سی کچھ سوگوار تھی۔ اس نے بال بکھیر رکھے تھے۔ لباس میلا کچیلا تھا۔ خاموش سی کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی! مریم نے دیکھ کر ایک سورتی ہوئی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ مریم اس کے سامنے تپائی پر ٹک گئی اور غور سے اس کی شکل دیکھی! اور پھیکے سے انداز پہ ہنسے۔ پاگل تو نہیں ہو گئی ہے کہ شادی پر راضی نہیں مگر وہ وقاص کے سامنے خفیف ہونے کے خیال سے چپ رہ گیا! وہ کیا سوچتا۔ اس نے کہا تھا کہ سلمیٰ کی بات کسی سے نہ کہا جائے! نانی کو بھی اس نے منع کر رکھا تھا مریم کے لبوں تک بات آ کے رہ گئی!

"بہت چپ چپ ہو۔ کیا ہوا ہے؟" مریم نے پوچھا۔ "خالہ جی اور بھائی صاحب تمہاری سسرال جا رہے ہیں۔ شادی طے کر کے آئیں گے۔ تمہیں تو پھول کی طرح کھلا ہونا چاہیے تھا! یہ منہ بنائے کیوں بیٹھی ہو؟ ابھی مرضی نہیں ہے کیا؟"

"مریم؟" کچھ گلوگیر لہجے میں ہولے سے سلمیٰ نے کہا۔

"ہوں۔" مریم نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم روز وہاں جاتی ہو؟"

مریم کے گال دہک اٹھے۔ وہ وہاں جاتی تھی اور بعد کو خوب پچھتاتی تھی کہ کیوں جاتی تھی لیکن وہ اپنے جذبوں پر کبھی پابندی نہ لگا سکی تھی جو اسے آہنی زنجیروں سے جکڑ کر وہاں گھسیٹ لے جاتے تھے۔ کیا وہ سلمیٰ سے کہہ سکتی تھی کہ ایک خوبرو سنجیدہ تجربہ کار آدمی کی گونگی محبت اسے وہاں

جانے پر مجبور کر دیتی تھی! محبت کی نفی تو وہ خود اپنے آپ سے بھی کرتی تھی۔ جھوٹی نفی۔ اس نے جیکے سے کھانس کر بھرائے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ وہ۔ ایسی محبت ہو گئی ہے شاید۔ مجھے کہ اسے دیکھے بغیر رہ نہیں سکتی۔ تم تو جانتی ہو کہ ثروت مجھے کس قدر چاہتی تھی۔ اس کے بچے کی دیکھ بھال کرتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے آسمان پر سے ثروت بڑی ممنون نظروں سے مجھے تک رہی ہو میرا شکریہ ادا کر رہی ہو۔ اللہ! سلمیٰ اگر ظہیر صاحب راضی ہوتے تو میں ہمیشہ کے لئے اس بیچارے بچے کو اپنا لیتی۔"

"میں ایک بات تم سے پوچھنا چاہتی ہوں" مریم کی باتیں ان سنی کر کے سلمیٰ نے کہا۔ "خدا کے لئے مجھے سچ سچ بتانا۔"

"ضرور!"

"تم تو وقاص صاحب سے بھی ملتی ہو گی!"

"کیوں نہیں؟"

"مریم! کبھی تم نے ان سے پوچھا کہ اب وہ بیچارے یہاں کیوں نہیں آتے؟ پہلے ہر دوسرے تیسرے روز چکر لگایا کرتے تھے لیکن اب جیسے صدیاں گزر گئیں۔ انہوں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ کیا ہوا ہے انہیں؟ خفا ہیں مجھ سے؟"۔ سلمیٰ کی آواز رندھ گئی۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"ارے بیوقوف! یہ کیا جان کا دق لگا بیٹھی ہو؟" مریم نے ہنس کر کہا۔ "میں جانتی ہوں۔ وہ بے حد لاابالی آدمی ہیں۔ ان کے مزاج میں کھلنڈرا پن بہت ہے۔ بس جب جو سوجھ جائے۔ پہلے بھاگ بھاگ کے آتے تھے۔ اب تو یہ ہے کہ شادی سر پر آ گئی ہے۔ تمہی سوچو کہ سسرال میں بار بار کیسے آئیں گے!"

یہ کہتے کہتے مریم نے پھر سوچا کہ پاگل لڑکی نے خود ہی بے چارے کو منع کیا ہے اور خود ہی بسورر ہی ہے۔ اس کا انکاری جواب سن کے اس کے مخلص دل پر کیا نہ گزری ہو گی؟

"تم نے انہیں کچھ خفا تو نہیں کر دیا ہے کہ دولہاؤں کے سے نخرے انہوں نے ابھی سے شروع کر دیئے ہیں!" مریم نے پوچھا۔

"مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں آتی!" سلمیٰ تو جیسے رو ہی دے رہی تھی!

"اچھا سنو۔" مریم نے سرگوشی کی! "ایک دفعہ میں انہیں یہاں بھیجے دیتی ہوں تم ان سے پوچھ لینا یہاں کیوں نہیں آرہے ہیں!"

"نہیں نہیں! انہیں یہاں مت بھیجنا!" سلمیٰ نے سر ہلایا۔ "میں ان سے کچھ نہیں پوچھ سکتی! اسی لئے تو میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ اپنی طرف سے تم ان سے پوچھ لو کیا خطا کی ہے بے گناہ سلمیٰ نے کہ اسے بھلا دیا ہے؟"

"ہائے پاگل! اتنی سی بات پر تم آنسو بہا رہی ہو۔" مریم نے اسے اپنا گود میں گرالیا اور اس کے بکھرے بالوں میں اپنی انگلیاں الجھا دیں۔ "ذرا دل کو قابو میں کرو۔ یوں ذرا ذرا سی بات پہ آنسو بہاؤ گی تو زندگی کیسے گزارو گی! اور پھر تم بیاہ سے پہلے رونے دھونے کی تو کوئی بات بھی نہیں ہے۔ آج کل میں اپنی خوشنما کھوپڑی پر سہرا لپیٹ کر وقاص میاں کے سونے کے آنگن میں بہار بن کر جا اترو گی۔ دن رات دیکھنا انہیں۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے۔ دل بھر کے۔ یہ بے بات کی بات پر رونا پیٹنا مجھے اچھا نہیں لگتا! سنا؟۔ ہاں۔ یہ تمہاری تعلیم کہاں تک باقی ہے ابھی۔"

دو آنسو ٹپکا کر سلمیٰ کچھ جھینپی جھینپی سی تھی، سیدھی بیٹھ گئی اور کھسیائی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"وہ پرچوں میں رہ گئی تھی انہیں پورا کر کے سند لینے کا مجھے بے حد ارمان ہے۔ یاد نہیں ہے۔ ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا!"

"کیا کرو گی سند لے کے۔ کوئی تمہیں نوکری چاکری کرنی ہے؟"

"بھائی جی کہتے ہیں کہ کیا حرج ہے اگر بی اے کر لو!"

"یا تو بی اے کر دیا شادی کر دو! سمجھیں!" مریم نے آنکھیں نکالیں۔

"تم اگر اپنی ضد پر جم جاؤ گی تو دوسروں کو بھی ضد ہو جائے گی۔ خرابہ تمہارا ہی ہو گا۔ دوسروں کا نہیں!"

"میں کچھ نہیں سمجھی! کیا ضد کر رہی ہوں میں!" سلمیٰ نے حیرت سے پوچھا

"الٹی کھوپڑی کی ہو تم! ایک دھن سما جاتی ہے تمہیں۔" مریم دبی زبان سے گرجی۔ "اب خالہ جی اور بھائی جان سے کچھ نہ بک دینا کہ بات خراب ہو جائے! بڑوں کو اپنی مرضی پوری کرنے دو!"

"مریم!" باہر سے مقصود صاحب نے آواز دی۔

"میں تمہاری ایک بات بھی نہیں سمجھی مریم!" اسے اٹھتے دیکھ کر دوبارہ پھر سلمیٰ نے کہا۔ پھر اسے دیکھا کہ غصے سے مریم نے کہا تھا۔

"وقاص صاحب کے منہ پر تم نے تالا نہ لگا دیا ہوتا تو میں تمہیں اچھی طرح سمجھا دیتی!" اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی!۔

"جی بھائی جان۔ ابھی آئی!"

سلمیٰ آنچل کا کونہ دانتوں میں دبائے حیرت سے کھلے دروازے کی طرف تکتی رہ گئی۔

کون سا تالا؟ اس نے وقاص کو کون سی بات پر پابند کیا تھا!۔

اس نے پردہ سرکا کر باہر جھانکا!۔

"آؤ ساتھ چلیں!" مقصود صاحب مریم سے کہہ رہے تھے۔ "تم وقاص کے سلسلے میں اس کی اچھی ترجمان بن سکو گی۔ مجھ سے تو وہ شرماتا ہے!"

مریم ہنسنے لگی تھی! پھر اس نے ایک بار بھی سلمٰی کے کمرے کی طرف دیکھے بغیر سب کے ساتھ باہر کی طرف قدم بڑھا دئیے تھے!۔

سلمٰی مایوس و دل شکستہ سی بستر پر جا لیٹی! اسے بے حد صدمہ تھا! ایک محبت کرنے والی بے زبان مشرقی لڑکی کی طرح اس نے وقاص کو اپنا سب کچھ سمجھ رکھا تھا! منگنی کے بعد اس کی محبت میں جاں نثاری اور والہانہ پن پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اسے بے حد چاہتی تھی۔ جب اسے پتہ چلتا کہ وقاص اس کے گھر آیا اور اس کی امی سے بیٹھا باتیں کر رہا ہے تو وہ سب کی شرارتوں کے باوجود باورچی خانے میں گھس کر اس کے لئے اس کی پسندیدہ ڈش تیار کرتی۔ اور اسے کھلا کر یوں خوش ہوتی جیسے اسے کسی نے تمغہ عطا کر دیا ہو۔ کبھی اس نے عمدہ عمدہ سوئیٹر بنا کے اسے تحفتہً پیش کئے تھے۔ اونی موزے تیار کر کے اسے دئے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی تنہائی اور محرومی کا خیال کر کے اپنے گھر سے کھانا تیار کر کے بھجوائے تھے۔ اس کی ہر ممکن خوشنودی اور خدمت اس کے لئے بڑی ذہنی آسودگی کا باعث بن جاتی تھی۔ لیکن اب کتنے یگ بیتے کتنی صدیاں گزری تھیں کہ وقاص نے شکل نہیں دکھائی تھی۔ کیا اس کے دل میں محبت کی کوئی تپش نہ تھی۔ اسے یاد بن بیقرار نہیں کرتی تھی۔ اسے مل بیٹھنے کا ارمان نہ تھا۔ کیا ہو گیا تھا اسے ___؟ اس نے اس کی محبت دل سے نکال پھینکی تھی؟ یہ راستہ کیوں بھول بیٹھا تھا معلوم نہیں۔

پھر وہ دوسری طرف کروٹ لئے چپکے چپکے رونے لگی!۔

مقصود صاحب نے وہاں پہونچ کر دیکھا کہ سب سہ دری میں بڑی میز بچھائے کھانا کھا رہے تھے! وقاص ان سب کو اپنے ہاں پا کر کچھ گھبرا گیا! اسے سلام کرنے کا ہوش بھی نہ رہا تھا۔ البتہ ظہیر صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کی تقدیم کی اور بے حد اخلاق سے بولے۔

"آئیے آئیے! باتیں پھر کرلیں گے۔ پہلے تو جو نان و نمک حاضر ہے۔ اس میں شریک ہوجائیے!" انہوں نے مقصود صاحب سے مصافحہ کے بعد ہاتھ تھامے ہوئے انہیں کرسی پر بٹھایا۔ اور پھر چچی سے بولے۔ "تشریف لائیے چچی جان۔ سچ مچ کمال ہے کہ میں سوچ ہی رہا تھا کہ آج کل میں آپ سے ملوں گا۔ آپ خود ہی آگئیں!" ان کے لئے کرسی سرکا کر انہوں نے قدسیہ بیگم کو بھی بٹھا دیا۔

"اتنی جلدی ہم نہیں کھاتے۔ سچ مانو کہ کھا کے چلے ہیں۔" قدسیہ بیگم نے کہا۔ "بس ویسے ہی آگئے کہ تم سب سے ملے اتنے روز ہو گئے تھے۔ یا بات ہے کہ نہ تم نہ وقاص ہمارے گھر کا راستہ ہی بھول گئے ہو!"

"میں تو چچی جان مصروف بے حد رہتا ہوں" ظہیر صاحب نے زبردستی ان کی پلیٹ میں شوربہ نکال کر ان کے سامنے سرکاتے اور روٹیوں کا ڈھیر کھسکاتے ہوئے کہا۔ "مگر وقاص میاں نے ادھر کا راستہ کیوں بھلا دیا ہے۔ یہ آپ انہیں سے پوچھئے۔ غالباً یہ وجہ ہے کہ وہ مجوزہ سسرال ہے۔ اب جناب لڑکی ہو کہ لڑکا۔ سسرال سے شرمانا تو چاہیئے!" سب اخلاقاً ہنسنے لگے!

وقاص نے ایک عرصہ بعد ظہیر صاحب کو ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ ریحم وہیں تھی۔ اس کی طرف مڑ کر انہوں نے کہا۔

"آپ اگر لڑکے کو آواز دیتیں تو وہ گرم چاول لے آتا!"

"جی میں خود لئے آتی ہوں۔ شیخو شاید رشید کو کھلا رہا ہے۔" مریم نے کہا اور ان کے قریب سے جھک کر ڈش اٹھائی اور تیز تیز قدموں سے چلی گئی!

"نتیجہ کب نکل رہا ہے تمہارا؟" مقصود صاحب نے وقاص سے پوچھا۔

"جی شاید۔ کل۔" وہ چونک کر بولا۔ "اخباروں میں کل آئے گا۔ اپرلیس میں تو آج ہی آ گیا ہے!"

"معلوم کیا کہ کیا ہے؟" انہوں نے گرم چاولوں کی قاب مریم سے لیتے ہوئے کہا پھر اس سے بولے۔ "بیٹھ جاؤ تم بھی۔ اب تکلف کیا ہے؟"

اس نے پیچھے سے نفی میں سر ہلایا اور دور پڑی نماز کی چوکی پر جا بیٹھی اور پیچھے دکھ سے سوچا کہ کھانے کی دعوت تو اسے ظہیر صاحب کو دینی چاہیئے تھی مگر۔ انہوں نے اسے رسماً بھی نہیں پوچھا۔

"کیا کرو گے ایم۔ ایس۔ سی کے بعد۔ باہر جانے کا ارادہ ہے؟" مقصود صاحب نے پوچھا۔

"پہلے ارادہ تھا۔ لیکن اب نہیں۔" وقاص نے کہا۔

ظہیر صاحب نے نظریں اٹھا کر تعجب سے اسے دیکھا اور پھر مقصود صاحب کا ظرف دیکھ کر خاموش ہو گئے! انہوں نے پوچھا۔

"تو پھر۔ یہاں رہ کر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"جی ارادہ تو کچھ بھی کرنے کا نہیں ہے۔" وقاص نے جواب دیا۔

"ہائیں۔ کیا مطلب۔ یونہی مسند گلے میں لٹکائے شتر بے مہار بنے پھرا کرو گے؟"

"مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" وقاص نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"بھیا آخر پانچ ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کیا صرف اپنے ہی لئے لے رہے ہیں؟"
اس کا جواب ایسا تھا کہ وہ سب ہنس دیئے اور ظہیر صاحب نے بڑی محبت سے اسے دیکھا تھا!

کھانے کے بعد وہ سب بڑے کمرے میں چلے گئے۔ وقاص اکیلا بیٹھا رہ گیا اور برتو کی پہ مریم بیٹھی تھی! لڑکا میز صاف کرنے آیا تھا تب وقاص نے کہا۔ "مریم صاحبہ۔ آپ کب کھائیں گی۔ آئیے نا۔ آپ کا یہ تکلف مجھے اچھا نہیں لگتا! آپ کے لئے میں قورمہ اور منگواتا ہوں۔" انہوں نے آواز بڑھا کر ملازم کو پکارا۔

"رہنے دیجئے وقاص صاحب! مجھے کھانا نہیں ہے میں آپ کے ہاں آئی ہوں، اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ـــ!" ظہیر صاحب کے دیئے ہوئے دکھ کا غصہ اس نے ناکردہ گناہ وقاص پر نکالا!

"آپ میری بات کا مطلب اُلٹا کیوں سمجھتی ہیں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"سنیے! آپ سلمٰی کے ہاں جائیے۔ میں ان سب کے ساتھ ہی یہاں سے آرہی ہوں۔ وہ آپ کی بے رخی کی بہت شاکی ہے۔" مریم نے کہا۔ "آپ نے اس کے پاس جانا کیوں چھوڑ رکھا ہے؟"

"زبردستی ہے کوئی؟" وقاص کے منہ سے نکل گیا!

"کیا مطلب؟ یہ زبردستی کا سودا کہاں سے ہے؟" مریم نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بات بتائیے گا؟"

"کون سی بات؟"

"آپ سلمٰی کی خیر خواہی کیوں کرتی ہیں۔" وقاص نے مزید جھنجھلا کر کہا

"میں کہہ رہا ہوں صاف صاف یہ سودا ـــــ !"

مریم کو کسی نے آواز دی۔ وہ وقاص کو نظرانداز کر کے جلدی سے باہر نکل گئی۔ وقاص بیٹھا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اس سے پہلے بھی اس نے ایک چھوٹی سا نذرانہ اسے پیش کرنے کی کوشش کی تھی مگر تب بھی اس کی خواہش ناتمام رہ گئی تھی! وقاص کسی چیز کو بہت بڑھا کر محسوس کرتا تھا! اور اس وقت تو وہ بیٹھا کراکری سے سجی الماریوں پر دیوانوں کی طرح نظریں دوڑا رہا تھا اور سوچ رہا تھا! کیوں آئی تھیں سلمیٰ کی امی۔ کیا کام تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ظہیر صاحب کی خواہش پر اس کی شادی کی تاریخ طے کرنے آئی ہوں!! ایک گرمی سی اس کے بدن میں دہک اٹھی! کیا ہو گا اگر ایسا ہی حادثہ پیش آ گیا؟ وہ مریم سے کیسے کہہ سکے گا کہ وہی اس کی پہلی اور آخری تمنا تھی!

ملازم برتن لے گیا اور کافی کی پیالی میز پر رکھ گیا! خون کے گھونٹوں کی طرح اس نے کافی پی اور برآمدے سے گزرتا ہوا مردانہ ڈرائنگ روم کے دروازے پہ آ گیا۔ اندر سے باتوں اور پرمسرت قہقہوں کی آوازیں باہر آ رہی تھیں! اس کا دل جلا رہی تھیں!

اس نے ظہیر صاحب کی آواز سنی! "جیسا آپ فرمائیں۔ مجھے آپ کی خواہش کا بہرحال احترام ہے مطمئن رہیے میرے لئے بھی بڑی آسانی ہو جائے گی!"

"ہمارے ہاں بھی قریب قریب سب تیار ہے۔" مقصود صاحب نے کہا۔

"ہاں تم نے کہا تھا!" ظہیر صاحب بولے۔

"اگر تم کہو تو میں دلہن اور سفینہ کو بھیج دوں۔ دس بارہ روز کی

مدّت میں کیا۔ آنکھ بند کرتے گزر جائیں گے۔" بجی جان نے کہا۔

"آپ اس قسم کی زحمت بالکل نہ کیجئے" ظہیر صاحب نے جواب دیا۔
"مجھے کرنا ہی کیا ہے؟ بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وقاص کو یونہی آپ کے
پاس لے آؤں۔ یہیں آپ سب مل کر تقریب کا سامان کر لیجئے گا!"

"تقریب کا سامان؟" وقاص کے کان کھڑے ہو گئے۔ "اور یہ دس
بارہ دن کی مدّت۔ کاہے کی؟ کیا گھپلا کیا ہے بھائی صاحب محترم نے۔" اسکے
جسم میں سنسنی سی پھیل گئی! وہ سوچنے لگا۔

پھر وہ ادھر متوجہ ہوا تو پتہ چلا کہ اب وہاں سناٹا تھا! چپکے سے
پردہ سرکا کر اس نے اندر جھانکا اور اس کی آنکھیں "تاڑ" بن کر ادھر
ہی لگ گئیں۔ کمرے میں جانے کب مریم آگئی تھی یا وہ شروع ہی سے
وہاں موجود تھی۔ بہرحال اب وہ ان دونوں کی آواز سن رہا تھا۔ انہیں
بخوبی دیکھ رہا تھا! ظہیر صاحب کہہ رہے تھے۔

"لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ ہی کیا کر لیں گی؟ یہ کوئی آسان کام
تو نہیں ہے! آپ نے یونہی سارے گھر کا چارج لے رکھا ہے۔ میں
نہیں چاہتا کہ آپ پر کام کاج کا زیادہ بوجھ پڑے!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے جناب!" مریم کی مترنم آواز نشیلی ہو گئی
"آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آپ کی خدمت کر کے مجھے کتنی خوشی حاصل
ہوتی ہے۔ اور پھر میں یہاں روز آتی کس لئے ہوں!"

"ہاں۔ وہ۔ تو ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!" ظہیر صاحب نے کہا۔
وہ بے حد بیزار سے نظر آنے لگے! شکریہ کے بعد بات ختم ہو چکی تھی
مگر مریم نے پوچھا: "ابھی آپ نے خالہ بی سے سردرد کی شکایت کی تھی۔

کہیئے تو ایک کپ کافی اور بنا لاؤں؟"

"نہیں نہیں! شکریہ!" انہوں نے میز پر سے سگار کیس اٹھایا اور ایک سگار نکال کے سلگانے لگے!

حریم باہر نکل گئی اور دوسری طرف سے وقاص اندر آیا۔

"خوش آمدید۔ برخوردار!" ظہیر صاحب نے کہا۔ وہ اس طرح کی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ وقاص چونکا۔ ظہیر صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"کیا بات ہے بھیا؟ یہ لوگ کیوں آئے تھے؟" وہ بہت خشک ہو کر بولا۔

"میں تمہارا رزلٹ معلوم کر آیا ہوں۔" انہوں نے کہا۔ "تمہارا شروع کا رینک برقرار ہے۔ مبارک ہو۔ خدا کرے کہ زندگی کے ہر قدم پر اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابیاں تمہارے قدم چومیں! خدا تمہیں ہمیشہ بامراد و شادکام رکھے! اور ــ!"

"فرسٹ ڈویژن؟" وقاص نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"بالکل!"

"آپ نے تب بھی نہیں کہا۔"

"میں اب بھی نہ کہتا۔ مگر میں نے سوچا کہ تمہیں دوہری خوشخبریاں ایک ساتھ سنا دوں!"

"میں نہیں سمجھا بھیا! دوہری خوش خبریاں؟ کیا مطلب؟ میری کہیں ملازمت بھی لگ گئی ہے شاید!"

"مقصود صاحب، شادی کی تاریخ دے گئے ہیں۔" ظہیر صاحب نے اس پر بم پھینک دیا۔ "آج اپریل کی تین ہے۔ انہوں نے اپریل کی سترہ تاریخ دی ہے!"

"ابھی لوٹ آئے تھے؟" ہونٹ چباتے ہوئے وقاص نے پوچھا۔

"ہاں!"

"بھیا بیگم۔ آپ میں سے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا!" وقاص کے لہجے میں ایسی تیزی تھی کہ ظہیر صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم سے کیا پوچھنا تھا؟"

"میں فی الحال۔۔ وہ نہیں چاہتا جو آپ چاہتے ہیں!"

"وقاص۔۔؟"

"بھیا! مجھے مجبور مت کیجئے!" وقاص نے بڑی گستاخی سے کہا اور ان کی تمام نگاہوں کی پرواہ کئے بغیر کمرے سے نکل گیا!

ظہیر صاحب تیزی سے اٹھے اور پردہ ہٹا کر دیکھا۔ اسے دو تین آوازیں دیں مگر نہ اس نے جواب دیا نہ پاس آیا۔ ظہیر صاحب باہر نکلے۔ سب سے پوچھا۔ وقاص کہاں تھا؟ شاید وہ بھاگ کر زینے سے اتر گیا۔ اور کہیں چلا گیا تھا!

ظہیر صاحب کا سر چکرا رہا تھا! انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وقاص اس بے باکی سے ان کے سامنے انکار کر سکتا ہے۔ ابھی تو وہ اس کے معصومانہ غرور ہی کے مزے لے رہے تھے۔

"بھیا اپنی ماہانہ پانچ ہزار روپے تنخواہ کیا صرف اپنے ہی لئے لے رہے ہیں؟"

اور پھر۔ یہ جرأت۔ جو اس کے معصوم انداز کے گلے پر چھری چلا رہی تھی! کتنی تیز ابیت تھی اس کے لہجے میں کتنی بے ادبی۔ کیسا تحکم؟

"بھیا مجھے مجبور مت کیجئے!"

وقاص یہ کیسے کہہ سکتا تھا جبکہ اسے معلوم ہوا تھا کہ ظہیر صاحب کی خوشی اس کی شادی ہی میں پوشیدہ تھی۔ اس کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا کچھ خرید رکھا تھا! روز ہی نانی اماں سے اسی ایک موضوع پہ باتیں کیا کرتے تھے۔ کیا وقاص کو علم نہ تھا کہ اب اس کا انکار لڑکی والوں کیلئے تباہی اور بدنامی کا باعث بن سکتا تھا! خاندانوں میں نفرت و دشمنی کی دیوار کھڑی ہو سکتی تھی۔ جو ابدہ تو ظہیر صاحب کو ہونا پڑتا۔ ان کا بھرم خاک میں مل گیا۔ اس پہ ان کا غرور ختم ہو گیا۔ وہ جو خود کو وقاص کا باپ کہتے تھے!۔

"اب کیا ہو گا؟" انہوں نے بیماروں کی طرح خود کو آرام کرسی پہ ڈال دیا کس منہ سے کہوں گا۔ وقاص نے انکار کر دیا مگر کیوں؟ اب تک وہ خاموش تماشائی کیوں بنا رہا تھا؟ کہہ کیوں نہ دیا تھا! وہاں شادی کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی اور یہاں ۔۔۔ اف پروردگار ۔ جو۔ کچھ میں نے سنا ہے۔ کیا وہ وقاص کا کہا ہوا تھا!۔

انکے سر کا درد تکلیف دہ ٹیسوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"سرکار!" نوکر نے کہا "وہ مریم بی بی کے بھائی صاحب آئے ہیں!"

وقاص بڑے جذبے کے عالم میں گھر سے نکلا تھا! اس کے دماغ میں ایک طوفان سا چل رہا تھا۔ اس نے ظہیر صاحب کی آوازیں سنی تھیں مگر جان بوجھ کر انہیں جواب نہ دیا اور نہ انکے پاس پہونچا۔ گھر سے کچھ دور ایک چھوٹا موٹا پارک تھا! وہ وہاں جا کر ایک گھنے سنبل کے نیچے

نم گھاس پر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ مالی گھاس کتر ہاتھ میں لئے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ اسے حیرت سے دیکھا اور کسی طرف چلے گئے! کچھ دیر تک دقاص آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ ٹھنڈی معطر اور پرکیف ہوا اس کے پسینے سے بھیگے ہوئے بدن کو سکون پہونچا رہی تھی۔ جنگلی پھولوں اور نم گھاس کی مہک اسے حواسوں کی دنیا میں واپس لا رہی تھی! اس نے آنکھیں کھول کر آس پاس دیکھا! اسے پھر کیا! اداسی ماحول میں رچی ہوئی تھی۔ اونچے اونچے گھنیرے کارٹ کے درختوں کی چوٹیاں خفیف سی ہوا سے متحرک ہوتیں اور بہت سے سفید لمبی ڈنڈیوں والے خوشبودار پھولوں کی اس پہ بارش سی برسا دیتیں۔ گھاس کے قطعہ پر دھوپ چھاؤں کا کھیل جاری تھا! دور سڑک پر لوگوں کا ہجوم زیادہ ہونے لگا تھا!..

اس نے سنگمر کے پیڑ سے پیٹھ ٹیک دی! اور خود پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے یہ کیا کیا تھا؟ ایک فریبی سائے کے تعاقب کے پیچھے وہ دوڑا تھا! اور احمق بن گیا تھا! اس نے اس بے خبر ہستی سے اندھا دھند محبت کی تھی جس کے خیال و رجحان کا اسے کچھ پتہ نہ تھا! مگر اسکے جذبے نے ایک پہلو اور بدلا۔

جب اس نے مریم کو بے حد اشتیاق و اضطراب کے عالم میں لرزتے ہاتھ سے مردج پیش کیا تھا تب اس نے مسکرا کے یوں قبول کر لیا تھا جیسے دقاص کا فرض دنیا، اس کا کام لینا تھا۔ وہ تو شاید اتنی مسرور ہوئی تھی کہ اس نے اس کا رسمی سا شکریہ بھی ادا نہ کیا تھا۔ تو پھر کیا یہ معمولی سی بات۔ اس کی محبت پہ دلالت کرتی تھی؟

مریم، سلمیٰ، ظہیر صاحب۔ اس کا پورا خاندان ؟ چچی کا کنبہ ظہیر صاحب کی

پریشانی، اس کی بے باکی، جسارت — کیا ہوگا آگے کا حشر۔ یہ اس نے کیا کیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے چھلک اٹھے اس نے اپنے بدن میں خفیف سی لرزش محسوس کی!
پروردگار۔ جھلملا کرتی اس کی آنکھیں غبار آلود آسمان پر رنگ گئیں میں نے ایسی حماقت کی ہے کہ اب بھیا سے نظریں نہیں چار کر سکتا!
ڈھلتے سایوں کے ساتھ پارک میں لوگوں کی آمد و رفت بڑھنے لگی! چند بچے اس کے پاس آکر کھیلنے لگے! پشیمانی کے ناگ رگ رگ میں زہر پھیلانے لگے!
"کیا کروں میں اب!" وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا!
اور وقت کا مرہم پگھل پگھل کر شام کی گود میں گرتا رہا۔ یہاں وہاں سب چلے گئے اور اب پارک تقریباً خالی تھا!
وہ گیٹ پر آیا اور گزرتی ہوئی سواریوں کو دیکھنے لگا! دماغ میں آئی ہوئی طغیانی ابھی اتری نہ تھی!
دفعتاً وہ اس طرح چونکا جیسے اسے ناگ نے ڈس لیا ہو! ایک رکشا اس کے سامنے سے گزرا تھا! اس میں اس نے آفاق صاحب اور مریم کو بیٹھے دیکھا! رکشا چلتا رہا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے قدم اٹھاتا رہا۔ اس طرح اس نے پہلی دفعہ مریم کو اس کے گھر تک پہونچایا۔ اور پھر جب دونوں اتر کر اندر چلے گئے! تب اس نے آہستہ سے دستک دی!۔
آفاق صاحب خود ہی باہر نکل آئے! اس پر نظریں پڑی تھیں کہ وہ جیسے دم بخود رہ گئے!
"تم!" ان کے منھ سے نکلا۔ پھر وہ سنبھل کر بولے "آؤ اندر چلو —

میں خوب اچھی طرح تمہاری گوشمالی کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے بھائی کو تم نے کتنا
پریشان کیا ہے۔ وہ بے چارہ تمہیں یہاں وہاں ڈھونڈنے نکل رہا تھا۔
میں نے اسے منع کر دیا کہ پاگل مت بنو۔ وہ کہاں جا سکتا ہے۔ آتا ہوگا۔
لیکن میں پوچھتا ہوں کون سا کیڑا تمہارے بھیجے میں رینگتا ہے۔ کرنا کیا
چاہتے ہو۔؟"

"کیا میں اندر آکے نہیں بیٹھ سکتا!" جواب میں وقاص نے کہا۔

"آؤ!" وہ ایک طرف ہٹ گئے۔ وقاص ان کے پاس سے گزر کر
کمرے میں آگیا۔

"بیٹھو" بے حد خفا ہو کر وہ بولے "میں ابھی آتا ہوں"

"میں چائے وائے نہیں پیوں گا آفاق بھائی!" اس نے ہاتھ اٹھا کر
انہیں روکا۔

"میں چائے وائے بھی تمہاری خاطر نہیں کر رہا۔" انہوں نے اسے
گھورا اور اندر چلے گئے۔

"گوشمالی!" ایک آہ سرد بھر کر وقاص نے زیر لب کہا "یقیناً ہونی
چاہیے۔ شاید اسی طرح میرا دماغ راہ راست پہ آجائے!"

دس منٹ بعد وہ آئے۔ ان کے پیچھے مریم بھی تھی۔ اس کے ساتھ
آفاق بھائی کی بیوی۔ عجیب سے کھسیانے انداز میں اس نے اٹھ کر
ان کی بیوی کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب تو نہیں دیا بلکہ اس پر برس پڑیں۔

"پاگل ہو گئے کیا؟" وہ گرجیں "بھیا! کچھ دیر پہلے ظہیر بھائی کا
فون آیا تھا۔ وہ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ خفا ہو کر گھر سے
نکلا ہے۔ میں پوچھتی ہوں۔ یہ خفگی کا ہے کی ہے۔ تو بھلا باپ برابر بھائی سے

خفا ہیں۔ وہ اگر تم سے خفا ہو جائیں نا تو پھر دھری رہ جائے یہ بادشاہت نا شکرے بے ادب کہیں کے۔ اور یہ تم کس بات پر بگڑ کے گھر سے نکلے ہو؟"

"نیک بخت سانس تو لے لو"۔ آفاق صاحب نے تیزی سے سر کھجا کر کہا "وہ وجہ بتا دے گا! مریم!" وہ اس سے مخاطب ہوئے۔ "کافی بنا دو۔ اور یہ گرم سموسے اسے دو!"

"م۔ میں۔ نن تو" وقاص ہکلایا "میں تو کھا پی کے نکلا ہوں۔"

"دوپہر کو کھایا ہوگا یہ شام کی چائے ہے"۔ آفاق صاحب نے ڈانٹ کر کہا۔ مریم ان کی ڈانٹ سن کر زیر لب ہنسنے لگی! وقاص نے ادھر پلکیں اٹھائیں۔ اور وجہ کا نا بھول گیا۔ اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ اب چھوٹے چھوٹے رنگ برنگی پھولوں والی سفید ساری اور سیاہ بلاؤز میں اتنی حسین ہو رہی تھی کہ اس پر سماوی مخلوق کا دھوکا ہو رہا تھا۔ اس کی بہت لمبی لمبی پلکیں اس کے سارے چہرے کا حسن تھیں!

"آپ کو دیکھ کر پھر بھوک نا ممکن ہے۔" وقاص نے سوچا اور اس کے ہاتھ سے سموسوں کی طشتری لے لی! پھر وہ تو نہایت سعادت مندی سے سر جھکا کر سموسہ ٹونگنے لگا۔ اور دور ابھی نہ سنا کہ آفاق صاحب اپنی گھن گرج آواز میں بیوی سے کیا وجہ بیان کر رہے تھے۔ ویسے رہ رہ کے اس کے کانوں میں اپنی شان میں چند توصیفی الفاظ پڑ جاتے تھے۔ جو وہ داستان سننے کے بیچ میں لقمہ دینے کے انداز میں کہتی جاتی تھیں۔ بیوقوف ہے کہیں کا ہائے نہیں تو، شیطان کو کاٹ کے ڈال دیتی۔ ذلیل نکما بد معاش۔ بے پرواہ گرد نے نکلا۔ پاجی کمینہ۔" پھر انہوں نے میاں کا پورا لیکچر سنکر تبصرہ شروع کر دیا۔ وقاص نے کافی کا کپ لبوں سے لگا رکھا تھا۔

اور سن رہا تھا! ۔

"خیال تو کرو۔ ایک ذرا سی بات کیا سلمیٰ کے گھر میں پہاڑ نہ بن جائے گی اگر کوئی تمہاری بہن کے ساتھ یہ حرکت کرتا تو کیا کرتے تم اس وعدہ فراموش آدمی کا حشر لڑکی ہی پر عیب لگتا ہے۔ تم شریف بچے ہو۔ تمہیں اپنے چاہنے والے بھائی کے وعدے اور زبان کا پاس کرنا ہے۔ اچھا سچ سچ بتاؤ۔ تمہاری یہ بیزاری یہ گریز و انکار آخر ہے کس لئے۔ کیا تم نے کسی اور کو پسند کر رکھا ہے۔ اسی لئے تم ۔۔۔ !"

"نہیں بھئی۔ انڈے کی زردی تو بنا رکھا ہے اسے ظہیر نے" آفاق صاحب نے کہا۔ "دوسروں کو پسند کرنے کہاں جائے گا! لیکن حیران ہوں کہ اس شریف ترین بے زبان بچے کے اس طوفانی احتجاج کی وجہ آخر ہے کیا؟۔

"آپ کو معلوم نہیں وقاص صاحب!" اب اس نے مریم کی آواز سنی! اور کپ ٹرے میں رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا! تیز روشنی میں وہ چونک اٹھی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی اس کے صبیح عارضوں سے پھوٹ رہی ہو۔ اس کی پلکیں اٹھ رہی تھیں گر رہی تھیں گلابی گلابی لبوں سے موتی برس رہے تھے۔ وقاص حسن کی دید میں محو ہو گیا تھا۔ لہجے کی شیرینی میں ڈوب گیا تھا! اور کچھ اڑتی اڑتی سن رہا تھا! ۔

"میں بھی تو ان کے پاس تھی اور ان کی بیقراری، اضطراب۔ بکھ رہی تھی۔ وہ تو جیسے بیمار ہو گئے تھے آپ کو خبر نہیں کہ آج صبح سے ان کے سر میں درد تھا۔ انہیں سخت اعضا شکنی تھی لیکن اس خیال سے کہ ان کی سوء مزاجی سے آپ کہیں پریشان نہ ہو جائیں۔ انہوں نے آپ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ آپ نے بہت نازیبا حرکت کی ہے۔ وہ آپ کو آوازیں دیتے رہے آپ بھاگ آئے!

وہ کبھی اس طرح مضطرب نہ ہوئے تھے جیسے کہ اب ہوئے۔ بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کچھ آپ کو معلوم ہے۔ وہ کیوں خفا ہو گیا ہے۔ آپ سے وہ بے تکلف ہے۔ کچھ اس نے آپ سے کہا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ نہیں جناب نہ وہ مجھ سے بے تکلف ہیں نہ مجھ سے کچھ کہا ہے۔ وقاص صاحب اب آپ انہیں زیادہ پریشان مت کیجئے اور یہاں سے سیدھے گھر جائیے۔"

"گھر جاؤ اور ان سے معافی مانگو!" آفاق صاحب نے کہا۔

"کیسے جاؤں؟" لعنت ملامت ڈانٹ پھٹکار کی بوچھار سے گھبرا کر وقاص نے کہا۔

"گودی میں لے کے چلوں!" آفاق صاحب کی بیوی جو بے حد تیز زبان اور آتش مزاج تھیں بولیں۔ "میاں کیسی حماقت کے کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"آپ سب لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔" وہ یکبارگی اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں جا رہا ہوں۔ ان سے معافی ـــــ!"

یکبارگی یہ وہ سرکا اور نانی اماں کی بھاری بھرکم پر گوشت صورت دکھائی دی جس پر بدحواسیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ ہوائیاں تو بہت معمولی چیز ہوتی ہیں۔ وقاص یوں کھڑا رہ گیا جیسے پتھر کا بن گیا ہو۔

"لو دیکھو تو۔ ہم نے ابھی ابھی ظہیر صاحب کو تمہارے یہاں ہونے کی اطلاع دی تھی۔ انہوں نے نانی اماں سے ذکر کیا ہوگا۔ وہ آموجود ہوئیں۔ ان لوگوں کی محبت کی کوئی حد ہے۔" آفاق صاحب نے کہا۔

نانی کے پان زردہ دیبز ہونٹ ضبط گریہ کی کوشش میں کپکپا رہے تھے اور یہ کپکپی ایسی تھی کہ اس کا نظارہ کر کے اپنی بے ساختہ ہنسی کو قابو میں

کرنا بہت مشکل تھا!

"نانی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے آپ کی!" آفاق صاحب کی بیوی نے کہا۔ نانی کو کافی سے چڑ تھی۔ ان کے لئے فی الفور چائے آ گئی تھی! لیکن انہوں نے اس طرف رُخ نہ کیا بلکہ بھرے گلے سے بولیں۔

"ختمہ دلہن۔ مجھے تو میرے مولا نے موت دے دی ہوتی تو میں ایک ٹھکانے ہو جاتی۔ اب مجھ میں بوتہ نہیں رہا کہ چوطرفہ کی فکریں برداشت کر کے زندہ رہوں۔ میرے بچے نے کہا کہ" انہوں نے ظہیر صاحب کے بارے میں بتاتے ہوئے بات جاری رکھی: "نانی پریشان مت ہوئیے وہ آفاق میاں کے ہاں ہے بس میں رکشے پہ بیٹھ کر دوڑی آئی ہوں۔ ہائے خدایا وہ تو بخار میں بھن رہا ہے۔ مگر اسے چین نہیں۔ کہہ رہا تھا کہ جلدی چلی آیئے گا اسے لیتی آیئے گا! وقاص۔ گھر سے بھاگ کے یہاں کیوں منہ چھپایا ہے تو نے؟"

"کیا بھیا کو بخار بہت تیز ہے؟" بے چین ہو کر وقاص نے کہا۔

"ابھی رکشے پر چلو اور کاہے پر!" بگڑ کر نانی نے کچھ کا کچھ سن کر کہا۔

"ہاں ہاں جاؤ۔ جلدی کرو!" آفاق صاحب نے کہا۔

"آپ نہیں چلیں گے!" رحم طلب انداز سے انہیں دیکھ کر وقاص بولا

"فی الحال تم جاؤ!" انہوں نے کہا "خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ نانی نے مارے محبت کے ذرا سی حرارت کو نامعلوم ڈگری تک پہونچا دیا ہے۔ جاؤ جلدی کرو!"

نانی نے برف سی چائے پی اور پھر وقاص کو لے کر چلی گئیں سارے راستے ان کا لیکچر جاری رہا! گھر پر اترتے ہی وقاص نے دیکھ لیا تھا کہ ظہیر صاحب، باہر کے دیوان خانے کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ وہ دوڑتا ہوا انکے پاس پہونچا۔

اور یکبارگی اپنا ہاتھ بیٹے ہاتھوں میں لے لیا جو واقعی تپتی ہوئی اینٹ کی طرح اس کے ہاتھ میں آ گیا
"آپ کو بخار ہے بھیا!" وقاص پر شرمندگی، خجالت اور ندامت کے تازیانے برس رہے تھے۔ "میں جا کے ڈاکٹر صاحب کو لئے آتا ہوں۔ یہ آپ کو بخار کیوں آ گیا؟"
"معلوم نہیں!" انہوں نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا: "تم خواہ مخواہ پریشان مت ہو۔ یونہی تم پر فکروں کا بوجھ ہے۔ غیر اہم چیزوں کی پرواہ نہ کیا کرو!"
نانی بھی آلہ سماعت کانوں پر چڑھائے خاصی اسمارٹ اور مرعوب کن بنی پاس آ کے کھڑی ہو گئیں بلکہ واشتیاق کی پرچھائیاں ان کے عظیم الشان چہرے پر آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں!۔
وقاص بے حد شرمندہ ہو گیا۔ اس نے اپنی خشک حلق سے بمشکل آواز گھسیٹی اور بولا: "بھیا میں اپنی بیہودگی کی آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ مجھے سزا دیجئے مگر خدا را مجھے مت رد کیجئے۔ میں ابھی ڈاکٹر کو لیکر آتا ہوں۔ آپ کو بخار بہت تیز ہے!"
"تمہیں علم نہیں کہ میری طبیعت کیوں خراب ہو گئی ہے؟" انہوں نے پوچھا
"جی ہاں۔ جی نہیں۔ وہ۔" وقاص گڑبڑا گیا اور سر جھکا کر فرش کو گھورنے لگا۔ ظہیر صاحب ایک کراہ کے ساتھ ایزی چیئر پر بیٹھ گئے اور ایک ہاتھ سے پیشانی دباتے ہوئے بولے: "جب تک میرے دماغ پر بوجھ پڑا رہیگا، میرا جسم بھی بیمار رہے گا اور تم ڈاکٹر کی فکر نہ کرو۔ مجھے کچھ نہیں ہوا!"
پھر وہ یکبارگی اٹھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے چلے گئے! ان کی پیٹھ ایک

ڈر پر غروب ہوئی اور اس کی نظریں نانی پر پڑ گئیں!
"دیکھ لیا۔ وہ بھی ملامت کرنے میں پیچھے نہ رہیں۔ اب بتاؤ کہ یہ کاہے کی وجہ سے ہوا ہے۔"
"نانی اماں۔" وہ ان کے پاس جھکا! "مجھ سے بھیا ناراض ہیں۔ آپ بتائیے ان سے یہ اجازت لے دیجئے کہ میں ڈاکٹر صاحب کو لے آؤں! ایسا نہ ہو کہ کہیں ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے!"
"کہہ آئی ہوں مریم سے۔ اگر بھائی بھاوج اجازت دیں تو چلی آئے۔ وقت کے گزرنے کے بعد کچھ کم یہ بیمار ہوئے تھے۔ ساری ساری رات نا کے پاس رہ کر اس نے ان کی تیمارداری اور دیکھ ریکھ کی تھی! اب بھی وہی آجائے تو اچھا ہے۔ مجھ سے کچھ ہوتا ہوتا نہیں۔ بچے کو سنبھالوں کہ خانساماں کو دیکھوں کہ کیا کروں؟ تم بیٹھے کیا ہو۔ جاؤ آرام سے سو جاؤ جاکے۔"
وہ بھی سخت ناراض تھیں! قہر آلود نظریں دقاص پر ڈالی اور چلی گئی تھیں!
گھر پر ایک عجیب سی اداسی چھا رہی تھی۔ کسی نے یہاں وہاں کے بلب بھی آن نہیں کئے تھے! کمروں میں بھی اندھیرا تھا۔ وقاص وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کا یہ بیبا کانہ احتجاج یہ رنگ اختیار کرے گا۔ وہ تو ان سب پر رعب جمانا اور اپنی ناپسندیدگی واضح کرنا چاہتا تھا! لیکن اب ۔۔۔ پریشان، فکر مند ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا وہ کھڑا تاریک صحن میں دیکھے جا رہا تھا! چنگاریاں تو دماغ میں چٹخ رہی تھیں۔
مریم نے بھیا کی تیمارداری کی تھی ساری ساری رات جاگ کر ۔۔۔ اس نے تپتے ہوئے دماغ پر دو ہنٹر رسید کیا!
وہ ساری رات ظہیر صاحب کی بہت بے چین گزری تھی۔

وقاص نے جا کے ڈاکٹر صاحب سے ان کی کیفیت کہی تھی اور انہیں لایا تھا۔ لیکن ظہیر صاحب صبح تک کرب برداشت کرتے رہے۔ ان کے پاس وقاص بھی تھا ملازم بھی تھا۔ نانی بھی تھیں اور انہیں آرام دینے کی بجائے تکلیف پہنچا رہے تھے!

خدا خدا کر کے صبح ہوئی! اور ایک اذیت ناک رات کے گزر جانے کے بعد صبح کے قریب ظہیر صاحب کو نیند آ گئی! نانی وقاص کو لے کر باہر آئیں۔ اس کی حالت بیمار سے بدتر ہو رہی تھی! وہ سر تھام کر ٹھنڈے فرش پر دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا!

کہیں دور بڑے ہال میں دیوار گیر کلاک نے سات بجائے! اور تبھی اس نے مریم کی آواز سنی۔ بہت مدھم سے لہجے میں کہہ رہی تھی!

"وقاص صاحب! آئیے۔ آپ کا ناشتہ میں نے لگا دیا ہے۔"

"آپ!" وہ اٹھا نہیں۔ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور ہمیشہ کی طرح وہ اپنے پسندیدہ سفید لباس میں ملبوس بے حد خوبصورت اور پرکشش ہو رہی تھی!

"ہاں!" وہ حوصلہ فرسا ماحول میں بھی ہولے سے مسکرائی۔ "صبح بعد نماز بھائی جان نے بھجوا دیا۔ نانی اکیلی کیا کرتیں۔ کیا وہیں لے آؤں ٹرے؟" اور وہ جواب کا انتظار کئے بغیر ٹرے لے آئی۔ خود بھی اس کے قریب فرش پر آ بیٹھی! وقاص نے ٹرے پر نظر دوڑائی۔ خوشبودار آملیٹ تھا۔ کالی مرچ میں تلے ہوئے آلو۔ گلابی گلابی اشتہا انگیز پراٹھے! ایک طشتری میں بالائی۔

"نانی نے کہا تھا آپ ہلکا ناشتہ نہیں کرتے۔" اس نے کہا۔

اور دیر سے نہیں کرتے۔ اس لئے سب سے پہلے میں نے آپ ہی کے لئے
یار کر دیا ہے۔ کھا لیجئے نا۔ ٹھنڈا ہو کر خراب ہو جائے گا۔ پھر میں کافی
لے آؤں!"

"مریم!" پہلی دفعہ اس نے عجیب سے لہجے میں اسے پکارا۔ مریم نے حیرت
سے اس کی طرف دیکھا اور وقاص کی آنکھوں میں اپنے پنہاں اندیشے کو
حقیقت کے روپ میں دیکھ کر سہم سی گئی! کیا کہنا چاہتا تھا وہ ۔۔۔؟

"مریم" وقاص کی آنکھوں کے گوشے سرخ ہونے لگے۔ اس کی تیز رو
ندر سانسوں کا ہجوم اس کے قمیص پر سے نمایاں ہو رہا تھا۔ ایک وحشت
بیہوشی سی اس پر طاری ہونے لگی تھی۔ وہ بے سوچے سمجھے بول رہا تھا۔
"حیا کی بیماری، میری بیباکی کا نتیجہ نہیں ہے۔ آدمی کو اپنے دل پر
ختیار نہ ہو۔ وہ مسحور ہو جائے تو پھر۔ پھر۔ کیا یہی سب کچھ نہیں ہو جاتا
یا میں نے جان بوجھ کر ایسی حرکت کی تھی۔ مریم۔ میری دیوانگی میں تصور
انہیں ہے ۔۔۔ میں آپ کو بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اپنے گھر میں
ہر پہلی بار۔ جب۔ جب آپ سے میری باضابطہ ملاقات ہوئی تھی۔
ہر راہ۔ تبھی۔ میں ساری رات سو نہ سکا تھا۔ آپ کا حسین چہرہ۔ میری
نکھوں میں رات بھر جگمگاتا رہا تھا۔ مریم۔ میں قصوروار نہیں۔ مریم۔
ں میں۔ آپ کو چاہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میں نہیں سمجھتا کہ
پھر میرے زندہ رہنے کی کیا ضرورت ہو گی۔ مریم؟ آپ نے اپنی زندگی
یں ایسے کتنے افسانے پڑھے ہوں گے۔ کیا محبت کی کہانیاں آپ کی
ظروں سے نہیں گزریں۔ انہیں آپ نے جھوٹ کے پلندے تو نہ سمجھا ہو گا!
ریم۔ محبت ایک بے اختیار جذبہ ہے محبت خدا کی نعمت ہے۔ اور میں۔

جو آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تو۔ یہ خود سے نہیں کرتا۔ آپ مجھے اپنی محبت پر مجبور کرتی ہیں۔ آپ بہت اچھی ہیں مریم میں نجانے کیا بے سر پیر کی باتیں کر رہا ہوں، مگر سچ مانیے کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہیں۔ آپ اتنی اچھی نہ ہوتیں تو۔ تو میں!"

مریم نے ایک گہری سانس لی تھی۔ جیسے وہ سر جھکائے سب کچھ سن رہی تھی۔ اور اس کی بکواس سے متاثر بھی ہونے لگی تھی۔ وقاص اتنا سب کچھ کہہ کے باؤلا سا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی بے ربط باتوں کے درمیان کئی دفعہ مریم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کی تھی! لیکن ہر بار اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا تھا، اور پھر بڑے امید افزا انداز میں مریم کا حسین چہرہ تکنے لگا تھا! اور سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے اس کی محبت کی پذیرائی کی۔۔۔ اسکے محبت بھرے دل کو قبول کر لیا تو پھر کیا وہ شادی مرگ نہ ہو جائے گا!

مریم نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ ہو رہا تھا! وقاص نے اپنا نچلا لب دانتوں میں جکڑ لیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا!۔ کہیں اس نے کوئی غلطی تو نہیں کر دی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ برا مان جائے اور ہمیشہ کے لئے یہاں کا آنا جانا بند کر دے!۔

"وقاص صاحب!" مریم کا لہجہ عجیب سا تھا مگر خلوص سے خالی نہ تھا وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے کہ اسے پہلے سے معلوم تھا کہ وقاص کی بے ربط بکواس کا جواب اسے کبھی نہ کبھی دینا ہی تھا!"

"وقاص صاحب!" وہ بے حد سادہ اور شیریں آواز میں بولی "آپ تعلیم یافتہ، سمجھدار، مہذب اور اعلیٰ خاندان کے فرد ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایک فرد کا اپنے خاندان، معاشرے، ماحول اور دوسرے متعلقین پر

کیا حق ہوتا ہے۔ آدمی صرف اپنی خاطر ہی نہیں جیتا! اسے دوسروں کی
خاطر بھی جینا پڑتا ہے۔ زندگی وہ کس کام کی جو صرف اپنی ذات کی
خواہشوں کے حصار میں گزرے اور دوسروں کی خواہشوں کا اسے کوئی خیال و
ادراک نہ ہو۔ آپ کی ساری باتیں آپ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہیں اور
وہ یقیناً سچ بھی ہوں گی! محبت ایک بیماری ہے وقاص صاحب اور بیمار
کی حالت خوب پہچانتا ہے لیکن ایک بیمار کو اپنے تیماردار کی فکر و
پریشانی، قلق اور اضطراب کا خیال کر کے تھوڑا بہت ضبط و صبر کرنا
پڑتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کی ذرا سی جذباتی جسارت نے گھر
بھر کو کیسی پریشانی سے دوچار کر دیا ہے۔ کیا یہ ماحول، آپ کو پسند ہے؟
آپ اسی کا دوام چاہتے ہیں؟"

وہ فاتر العقل ششدر کی طرح اس کی شکل تکتا رہا اور کچھ بول نہ سکا
مریم نے بے حد دلپذیر انداز میں پھر کہا۔

"وقاص صاحب! آپ کا بہت بڑا حق ہے اپنے اس بھائی پر جس
نے آپ کو باپ کی محبت دی ہے۔ آپ کی ہر چھوٹی بڑی خواہش پوری کی
ہے۔ آپ کی محبت میں انہوں نے اپنی ذات کی تنہائی اپنی اکائی کا کرب
فراموش کر دیا ہے لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ کچھ حق ان کا بھی آپ پر ہے؟
کچھ کیا ہے آپ نے ان کے لئے؟ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچئے۔ اگر وہ
آپ کی ہستی میں اپنی بچی کھچی خوشیاں تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی
دلہن سے اپنا اجڑا ہوا گھر آباد کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی نسل کا تحفظ ان کی تمنا
ہے تو کیا آپ ان کی تمام جائز خواہشوں کو ٹھکرا کر صرف اپنی ایک خواہش
پوری کرنا ہی اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ آپ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ آپ کی

نارضامندی، آپ کا انکار انہیں آپ کے چچا کے خاندان میں کتنا سبک اور خفیف کر دے گا! اور پھر ایک ناکردہ لڑکی کا معاشرے میں کیا مقام رہ جائے گا۔ ایک منگنی کے بے وجہ ٹوٹنے کے بعد دنیا والے لڑکی ہی میں عیب تلاش کرنے لگتے ہیں! وقاص صاحب۔ آپ نے اپنے بھائی کا دل توڑا ہے۔ آپ نے ان کا بھرم خاک میں ملا دیا ہے۔ آپ نے ان سے کہا ہے کہ وہ آپ کو مجبور نہ کریں۔ کیا سوچا ہوگا انہوں نے۔ وہ اور آپ ایک جان دو قالب بنے ہیں۔ اگر دو قالب ہیں تو جانیں بھی دو ہی ہیں۔ آپ پر ان کا کوئی اختیار نہیں! آپ کو اپنی ایک خواہش کے پورے کرنے کا ارمان ہے۔ اور آپ دوسروں کی ساری خواہشیں اور تمنائیں ملیامیٹ کر سکتے ہیں۔ تو سچ مانیے کہ میں آپ کی یکطرفہ محبت کی ضرور پذیرائی کر لوں گی۔ ورنہ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ آپ کا اور میرا رشتہ کیا ہے؟؟!"

مریم نے ٹھنڈے بالا ایسے زناٹے کی تڑپتے چابکے سے اس کے سامنے سر کائی اور اٹھ کر چلی گئی! بے آواز۔ جیسے آئی تھی!۔

اور وہ روشن نہالا جو ایک نئی نئی صبح کی آمد آمد سے جگمگا رہی تھی۔ وقاص کی نظروں میں تاریک اور مہیب ہو کر رہ گئی! اس کے دل کی دھڑکن مدھم ہو رہی تھی۔ اس کے کانوں کی سائیں سائیں میں مریم کی آواز کی بازگشت گونج رہی تھی۔ اس نے بے حد ٹھنڈے ٹھنڈے تیر برسائے تھے۔ اس نے طنز و تعریض کا سہارا نہیں لیا تھا۔ اسے لعنت ملامت بھی نہ کی تھی لیکن اس کی سیدھی سیدھی باتیں وقاص کے دل پر گرم تکلیف دہ لاوے کی طرح برس رہی تھیں۔ اور وہ بتدریج ہوش و حواس سے عاری ہو رہا تھا۔ ایک سخت کربناک احساس

ستا رہا تھا۔ اس نے اپنی حماقت کے ہاتھوں کئی ایک لوگوں کو مبتلائے غم کر کے رکھ دیا تھا!

سلمیٰ کی طرف سے ایک جھوٹ بک دیا تھا اسے نانی اور مریم کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی تھی!

اسے اپنی مفارقت کا دکھ دیا تھا۔

ظہیر صاحب کی دل شکنی اور جسمانی و روحانی کرب کا باعث بن گیا تھا مریم کی سی وسیع الظرف اور شریف لڑکی کی نظروں میں! اپنی کوئی حیثیت باقی نہ رکھی تھی۔

ان سب سے وہ کیونکر نظریں چار کر سکے گا؟ کیونکر؟

اس نے زانوؤں پر سر اوندھا لیا۔۔۔

گھر بار ارشد کو ایک ملازم کے حوالے کر کے نانی اماں ظہیر صاحب کے پاس آ بیٹھی تھیں۔ ان کی خفیف سی علالت بھی نانی اماں کی موت بن جاتی تھی! ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ ظہیر صاحب کی بیماری خود لے کر انہیں تندرست کر دیں۔ ان کی حد سے بڑھتی ہوئی محبت انتہا سے زیادہ خلوص و ممتا ظہیر صاحب کے آرام میں بری طرح مخل ہوتی تھی لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے نانی کے آنے میں دیر لگتی تو ان کی دل شکنی کے خیال سے انہیں بلا کے اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔ تب نانی اماں فخر و مسرت سے عیادہ ہو جاتی تھیں!

ہلکے سے ناشتے کے بعد ظہیر صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی اور وہ بستر سے اٹھ کر دیوان پر آ بیٹھے۔ کرسی پر نانی اماں بیٹھی تپائی پر پلیٹ رکھے سیب کاٹ کاٹ کر انہیں دے رہی تھیں۔ ظہیر صاحب بہت خاموش تھے۔ ان کے ذہن میں خیالوں کا ہجوم تھا۔ اور زبان بند۔ ایک بڑا غم ان کا جگر چاٹ رہا تھا۔ وقاص کا وہ اجنبی لہجہ ان کے دل و دماغ میں گونج رہا اور اسی طرح درد سر کے اضافہ کا باعث بن رہا تھا! وہ باور کرنے پر تیار نہ تھے کہ بیٹے انہیں یوں ٹھکرا دے اور لاابالی بھائی نے ان سے بدکلامی کی تھی! وہ گم صم سوچ رہے تھے! اب کیا ہوگا؟ وہ مسعود صاحب کو کیا جواب دیں گے۔ ان کے ہاں تو شادی کی تیاریاں ہونے لگی ہوں گی! اب کیا وقاص کی نارضامندی کا ان پر چھینٹا جائے گا؟ کیا اتنی کمینگی ان سے سرزد ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں!۔ پھر ان کے خیالوں میں ایک انقلاب آ گیا۔ یک بیک دنیا اور دنیا کے کاروبار سے ان کا دل سیر ہو گیا۔ انہوں نے سوچا کہ ایک رات وہ بچے کو لے کر چپکے سے کہیں چل دیں۔ گھر بار، شادی بیاہ، دنیا کی دوسری دلچسپیاں محض ایک فریب ہیں۔ ایک خوشنما مسلسل دھوکا اور انہیں اب اس دھوکے کے دائرے کو توڑنا ہے! بلا سے ان کے پیچھے جو بھی قیامت آئے۔ وہ کسی کو زبان دے کر پھر نہیں سکتے۔ وہ بزدل تھے کیونکہ بہت شریف تھے!

نانی اماں دیر سے بغور ان کے ستے ہوئے چہرے کو بار بار متغیر ہوتے دیکھ رہی تھیں اور صبر کر رہی تھیں لیکن ان کے صبر کا بہت چھوٹا سا پیالہ جلد ہی لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔ ایک ٹکڑا سیب کا ان کی طرف

بڑھاتی ہوئی بولیں۔

"میں تو کہتی ہوں یہ تم بھی ذرا سی بات سوچ کے بجائے غصہ اب کر کے بیٹھ جاتے ہو۔ لڑکے نے جو حرکت کی ہے۔ اس میں اس کا کچھ قصور نہیں ہے۔ وہ مجبور ہے۔ جب کہ ---!"

نانی کی خاموشی معنی خیز تھی۔ ظہیر صاحب نے کہا۔ "کہیے۔ جب کہ ۔۔ ؟ کیا جبکہ ؟ کس نے مجبور کیا ہے اسے ؟"

نانی نے آواز دبالی۔ "ڈرتی ہوں۔ اس نے مجھے راز دار بنایا تھا! کہا تھا۔ کسی سے نہ کہیے گا۔ کہیا سے بھی نہیں!"

"میرا سر درد بڑھ رہا ہے۔ نانی اماں۔ خدا کے لئے جلدی کہیے۔ جو کچھ آپ کو کہنا ہے!"

"وقاص جانا چاہتا ہے نا قدسیہ بی کے ہاں!" نانی کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں ہو گئے۔ "وہ ملا تھا سلمیٰ سے۔ اب اپنی شادی بیاہ کا تذکرہ تو لڑکی سنتی ہی رہتی ہوگی۔ اس نے تو سیدھے سیدھے چلو ڈر کے کہہ دیا وقاص سے کہ ابھی شادی وادی پر مجبور نہ کرو۔ میری پڑھائی پوری نہ ہو گی۔ پھر یہ کہہ کر لڑکے کے منہ پر قفل ڈال دیا۔ کہ کہنا مت کسی سے۔ یہ تو اس نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ آپ سب لوگ شادی کی تیاری کر رہے ہیں جبکہ سلمیٰ ابھی ہرگز راضی نہ ہوگی! میں کہتی ہوں کہ آخر قدسیہ بانو کی سی نیک بے زبان اور نیک بی بی نے لڑکی کو ایسا شتر بے مہار کیسے بنا دیا ہے کہ اسے نہ ماں باپ کی عزت کا خیال ہے نہ بھائیوں کا خوف ہے۔ نہ یہ خیال ہے کہ کوئی اس کے کیسے نام دھرے گا؟"

ظہیر صاحب نے ملیحی لن ترانی کے جواب میں پوچھا "یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"مجھ سے خود وقاص ہی نے تو کہا تھا!"

"اب کیا کر رہا ہے وقاص؟"

"مریم ناشتہ دینے آئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں ہوگا۔ ناشتہ کر رہا ہوگا۔"

"اور مریم؟" بے حد تعجب سے ظہیر صاحب نے پوچھا۔ "یہ اتنے سویرے سویرے مریم کیسے آگئی ہیں۔ رات اپنے گھر نہیں گئی تھیں کیا؟"

"میرے اکیلے پن کے خیال سے صبح سویرے آگئی تھی۔ میں کیا کہوں میاں کہ کیسی اچھی لڑکی ہے۔ میں تو فدا ہوں اس پر۔ دیکھو کہ ثروت کی سہیلی تھی۔ اس کے بعد تو اس گھر سے اس کا کوئی ناطہ ہی نہ رہ گیا تھا، مگر دیکھو کہ برابر آتی ہے بیٹا تم کو پتہ ہی نہیں۔ اس نے تمہارا سارا گھر سنبھال لیا ہے۔ صفائی ستھرائی، کھانا پکانا۔ بچے کو سنبھالنا کوئی ایک کام ہے۔ آج کل کے زمانے میں ایسی نیک اتنی گرہست لڑکی کا ملنا محال ہے۔ تمہارے مزاج سے ڈرتی ہوں ورنہ میں تو آفاق میاں کو پکڑ کے بیٹھ جاتی کہ اپنی بہن یہاں بیاہ دیں۔ پروردگار۔ ایسا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا!"

"مریم کیا کر رہی ہیں؟" ظہیر صاحب نے پوچھا۔

"تمہارا ناشتہ تیار کر رہی ہوگی! میں اس سے کہہ آئی تھی کہ سبزیوں کا سوپ ــــ۔"

"ایک پانچ منٹ کے لئے انہیں میرے پاس بھیج دیجئے!"

نانی بیجانے کیوں خوش خوش چلی گئیں! دوسرے ہی لمحے پردے کی

سلوٹوں میں سفید لباس کی جھلکیاں دکھائی دیں۔ اس کی اجازت لینے سے پہلے ظہیر صاحب نے کہا۔

"آجائیے!"

مریم بھیگے بھیگے ہاتھ آنچل کے گوشے سے پونچھتی اندر آگئی اور ایک کرسی کی پشت تھام کر کھڑی مستفسرانہ انداز میں انہیں تکنے لگی! ایک شب و روز کے تیز بخار اور درد سر کی تکلیف کے آثار اب ان کے سنجیدہ ترین چہرے پر محیط تھے۔ چہرہ بھی قدرے زرد ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھ گئی تھیں۔ بال پریشان تھے لیکن اس عالم میں بھی وہ اتنے ہی خوبرو اور پرکشش لگ رہے تھے بلکہ بیماری نے انہیں ایک نیا حسن بخش دیا تھا! عمر کی پختگی ان کے مردانہ حسن پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ وہ زیادہ وجیہہ اور شاندار لگنے لگے تھے!

ایک لمحہ تک ظہیر صاحب بھی خاموش رہے۔ نانی کا لہجہ ان کے سامع کی وسعتوں میں بازگشت بن کر گونج رہا تھا!

اس نے تمہارا گھر سنبھال لیا ہے۔

ایسی نیک اور گرہست لڑکی کا اس زمانے میں ملنا محال ہے۔

اگر آفاق میاں اپنی بہن یہاں بیاہ دیتے تو...؟

انہوں نے آہستہ سے کھانس کر آنکھیں اٹھائیں۔ خاموش محسوسات کے دو پرشور جہان آپس میں مل گئے! لیکن نہ وہاں جذبوں کے لاوے ابل سکے نہ ہونٹوں سے اظہار احساس ہو سکا!

مریم نے نظریں جھکا لیں۔ ظہیر صاحب نے میز پر سے سگار اٹھا کر سلگانا شروع کیا۔ ایک لمحہ کی سینکڑوں صدیوں کے گزر جانے کے بعد

ظہیر صاحب نے کہا۔

"کچھ پوچھنا ہے آپ سے۔ براہ کرم بیٹھ جائیے!"

مریم اسی کرسی پر ٹک گئی!۔

"آپ ہی نے سنا ہے کہ سلمیٰ کی بچی دوست ہیں؟"

"جی ہاں!"

"آپ اس سے ملتی جلتی بھی ہوں گی۔"

"ملنا جلنا تو تھوڑا بہت رہتا ہے۔"

"اس ہفتہ میں آپ اس سے کب ملی تھیں؟" ظہیر صاحب کے

انکے پر اسرار سوالات سے حیران ہو کر اس نے انہیں غور سے دیکھا۔

"کس لئے تھی یہ تفتیش؟"۔

"جی میں تو ابھی پرسوں ہی ملی تھی!"

"کچھ کہا تھا اس نے کہ وہ ــ" ظہیر صاحب ذرا رک گئے پھر بولے۔

"آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ مقصود صاحب دونوں کی شادی کی تاریخ

طے کر گئے ہیں! لیکن ایک گڑبڑ یہ ہو گئی ہے کہ اگر اس طرف

وقاص فی الحال آمادہ نہیں ہے تو غالباً اس طرف سلمیٰ نے بھی ایک

شرط لگا دی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کے ختم تک تقریب پر آمادہ نہیں

ہے۔ اس نے یہ بات وقاص سے کہی تھی۔ اس نے مجھ سے کچھ بھی

نہیں کہا اگر کہہ دیتا تو میں مقصود صاحب کو کبھی مجبور نہ کرتا۔ سلمیٰ

کا تعلیمی شوق اچھا ہے تعلیم حاصل کرنے کی لگن ایسی ہی ہونی چاہیے۔

لیکن یہ بات تو بے حد نامناسب ہے کہ اب جبکہ دونوں گھرانوں میں

شادی کی تیاریاں شروع ہو رہی ہیں! اچانک تقریب ملتوی کر دی جائے۔

اسی لئے میں نے آپ کو زحمت دی ہے کہ آپ سلمیٰ سے میری طرف سے ملیئے اور اسے یہ یقین دلائیے کہ بڑوں کی مرضی ملحوظ رکھے۔ یہاں آنے کے بعد بھی اس کی تعلیم بدستور جاری رہے گی! بلکہ میں تو اس کی حتی الامکان مدد کروں گا! کیا آپ میرا اتنا سا کام آج ہی کر دیں گی؟"

"میں تو نہیں سمجھتی کہ سلمیٰ نے اپنی تعلیم کو اتنی اہمیت دی ہو!" مریم نے کہا۔ "ویسے وہ یہ ضرور کہہ رہی تھی کہ بی اے کی سند کے حاصل کرنے کا اسے شوق ہے لیکن ایسی کوئی بات کہ ابھی شادی پہ وہ راضی نہیں ہے مجھ سے تو اس نے کبھی نہیں کی۔ اس کے علاوہ ....!"

"ہاں! اس کے علاوہ؟" ظہیر صاحب نے استفسار کیا۔

"وہ تو کبھی نہ کہہ سکتی کہ وہ شادی پر راضی نہیں ہے۔ کیونکہ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ وفا صاحب سے۔ ہم۔ تم۔ محبت۔ مطلب یہ کہ۔" پیشانی پر پھوٹ آنے والے پسینے پہ آنچل پھیرتی ہوئی مریم نے سلسلہ کلام پھر جوڑا۔ "وہ انہیں۔ اس حد تک۔ پسند کرتی ہے کہ ان کی بے رخی کی شاکی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ ... کیا ہوا ہے کہ۔ انہوں نے وہاں کا آنا جانا ترک کر رکھا ہے!"

اور یہ کہتے کہتے مریم کا دل خلش آمیز انداز میں دھڑکنے لگا! اس کے بدن میں ایک آگ سی سلگ اٹھی۔ وہ جانتی تھی کہ وفا صاحب کی بے اعتنائی، اجتناب و گریز اس کی محبت میں پوشیدہ تھی۔ صبح ہی سے وہ وفا صاحب کی ٹوٹی بکھری اظہار محبت کی بکواس کو دل ہی دل میں دہرا رہی تھی اور رہ رہ کے حیرت کے جھٹکوں سے دوچار ہو رہی تھی۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اس گھر میں یہ اس کا آخری دن ہے۔

وہ پھر یہاں نہ آئے گی۔ ایک پرسکون گھر کے خاموش ماحول میں وہ ایک قابلِ اعتراض محبت کی ہلچل پیدا کرنا نہ چاہتی تھی۔ اپنے فیصلے سے وہ مضطرب بھی تھی اور اداس بھی۔ کوئی سا جذباتی لگاؤ تھا اسے اس گھر سے۔ یہاں کے در و دیوار سے۔ مکان سے مکینوں سے۔ اور اب صبح سے اس نے کئی دفعہ اپنے بے اختیار آنسو اندر اندر اتارے تھے۔

"میں نے اسے کئی دفعہ تاکید کی تھی کہ وہ وہاں کا جانا آنا ترک نہ کرے۔ آدمی کو اپنوں سے تعلقات ہمیشہ استوار اور خوشگوار رکھنے چاہئیں۔" ظہیر صاحب دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ "مگر معلوم نہیں کیا بات ہے؟ میں بھی تو بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ دفاحت کی خوشمزاجی، بذلہ سنجی بے فکری کافور ہو چکی ہے۔ اس کا تو کوئی ایسا قریبی دوست بھی نہیں جس سے میں پوچھوں کہ اس کی قلب ماہیت کی وجہ کیا ہے؟ کچھ آپ جانتی ہیں؟"

مریم پر ٹھنڈی چنگاریوں کی بچھاڑ برس پڑی۔ اسے اپنا چہرہ متغیر ہوتا محسوس ہوا۔

"جی۔ مجھے!" دل کڑا کر کے اس نے کہا۔ "مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں!" اور سر جھکا لیا۔

ظہیر صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پگھلے ہوئے لہجے میں بولے۔ "بس میں نے یہی کہنے کے لئے آپ کو زحمت دی ہے۔ آپ سلمیٰ سے مل کر کہہ دیجئے کہ وہ فکرمند نہ ہو۔ اس کی تعلیم کا سلسلہ یہاں آنے کے بعد بھی منقطع نہ ہوگا۔ ایک لایعنی بے بنیاد اندیشے کی بنا پر وہ ہمیں کسی الجھن میں گرفتار نہ کرے۔ میں اس سے خود ملتا مگر شاید میں بے تکلفی سے یہ سب اس سے نہ کہہ سکوں گا۔ آپ کو میں زحمت دے رہا ہوں معذرت خواہ

ہوں کیا آپ ناشتے کے بعد جا سکیں گی؟"

"جی ہاں!"

"آپ کچھ محسوس تو نہیں کر رہی ہیں۔"

"جی نہیں" وہ زبردستی مسکرائی "ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ مطمئن رہئیے۔ میں آج ہی ان کے پاس جاؤں گی اور اسے سب کچھ سمجھا کر آپ سے کہہ دوں گی۔ اس نے کیا کہا ہے؟"

"بہت بہت شکریہ آپ کا مریم!" ظہیر صاحب نے تو شکر گزار انداز میں کہا تھا مگر مریم کے دل میں شیرینی کا آبشار سا گر کے رہ گیا۔ اپنی شناسائی کی ایک طویل مدت میں اس نے شاید پہلی دفعہ ان کے لبوں سے اپنا نام سنا تھا اور پہلی ہی بار اپنا نام اسے بے حد خوبصورت اور مترنم لگا۔ زیر لب کچھ کہہ کے رہ گئی اور ان کی طرف دیکھ کے بولی۔

"آپ۔ وقاص صاحب سے ناراض تو نہیں ہیں؟"

"نہیں بالکل نہیں! اس نے سلمیٰ کے راز کی پاسداری میں ہماری خفگی مول لی تھی لیکن اب اس سے ناراضی کا کیا سوال رہ گیا ہے!"

پھر بات ختم ہو گئی!۔

مریم کمرے سے نکل ہی رہی تھی کہ نانی اماں پریشان سی پہونچیں۔ انکی طرف دونوں متوجہ ہو گئے۔

"کیا ہوا؟" ظہیر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"وقاص!" نانی نے کہا۔ اور پھر یکبارگی رو پڑیں۔

"کیا ہوا وقاص کو؟" ظہیر صاحب نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"کہاں ہے وہ؟ کیا کر رہا ہے؟"

"مریم بٹیا اس کے لئے سویرے ناشتہ لے گئی تھیں۔ وہ اس نے چھوا تک نہیں۔ کشتی جوں کی توں پڑی ہے۔ وہ دیوار سے لگا لگا غافل ہو گیا ہے۔ کتنی آوازیں انہوں نے دیں۔ پلک تک نہ جھپکائی۔ ادھر سے دری کی طرف —"

وہ چیخیں مگر ظہیر صاحب ننگے پاؤں دوڑ گئے تھے۔ وقاص اسی پوزیشن میں بیٹھا ملا! اس کا سر دیوار سے لگا ہوا تھا۔ گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی۔ دونوں ہاتھ پہلو میں پڑے تھے۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا! ظہیر صاحب کا دل ڈوب گیا! کیا ہو گیا تھا؟ وہ اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اسے ہلایا جلایا آوازیں دیں اور پھر مریم کی طرف مڑ کے بولے: "آپ جلدی سے ڈاکٹر مشرف صاحب کو فون کیجیے۔ کہیے گا کہ فوراً آئیں۔ فون اسٹینڈ کے اوپر دیوار پر ان کا فون نمبر درج ہے۔ جائیے۔"

"اسے کیا ہوا ہے؟" نانی رو رو کر ہاتھ پاؤں پھیلائے دیتی تھیں۔ "میرا بچہ کل سے کتنا پریشان ہے۔ نجانے کیا سوچتا رہا ہے۔ ہائے یہ بے ہوش کیوں ہو گیا۔ میرے اللہ رحم کر!"

ظہیر صاحب نے جھک کر وقاص کو اپنی بانہوں پہ سنبھالا اور باہر ان کے کمرے میں لے جا کے بستر پر لٹا دیا۔ اب خانساماں، نانی، مریم حتیٰ کہ پڑوسی تک کمرے کی دہلیز پر آ موجود ہوئے تھے! نانی کا مچایا ہوا شور صرف دالان تک محدود نہ رہ سکتا تھا!

ظہیر صاحب نے وقاص کے گالوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اسے تھپک تھپک کر آوازیں دیں اور پھر اس کے چہرے پہ پانی چھڑکا گیا۔ پانچ دس منٹ بعد وقاص نے پلکیں جھپکائیں اور آنکھیں کھول دیں! اس پر خجالت، ندامت اور اپنی حماقت کے احساس نے سخت ردِ عمل کیا تھا۔ مریم کی

ٹھنڈی نصیحت نے مریم کے پر سود رِنے والا کام کیا تھا! وہ بہت دنوں تک ظہیر صاحب
اور مریم کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن آنکھیں کھلیں تو ان ہی دو چہروں پر
کھلیں ظہیر صاحب اس کے پہلو میں بیٹھے اور اس پر جھکے ہوئے تھے قریب
ہی مریم کھڑی تھی! اگر ظہیر صاحب کی آنکھوں میں تشویش اور اضطراب کی لہریں
تھیں تو پرسکون انداز مریم کے بھی نہیں تھے!

اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا! اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے
لیکن ظہیر صاحب نے اس کی کوشش ناکام کر دی۔ اس کے ہاتھ پکڑ لیے اور
بے حد محبت پاش لہجے میں بولے۔

"کیا ہوا تمہیں بچے! ناشتہ کیوں نہ کیا تم تو صبح سویرے کھا پی
لیتے ہو۔ پھر آج کیا ہوا ہے؟ سر چکرا گیا تھا تمہارا۔ جی گھبرایا تھا؟ مجھے
بس بتا دو کیوں پریشان کیا تم نے؟"

"بھیا۔" اس کے لب کانپنے لگے۔ وہ مریم سے نظریں چرا رہا تھا
"گرم دودھ لے آؤ بی بی دوا تو دوا ملا کے؟" نانی نے جھک کر اس کی
پیشانی پر بوسہ دے کر گویا دی آرٹ کا ایک شاہکار تخلیق فرما دیا۔

"لے آئیے!" ظہیر صاحب نے کہا۔

"سرکار۔ ڈاکٹر صاحب آگئے!" افضل نے اطلاع دی۔

"میں دودھ لے آتی ہوں!" مریم نے مدھم لہجے میں کہا اور چلی گئی۔

ڈاکٹر صاحب اس گھر کے قدیم معالج تھے۔ انہوں نے اسے دیکھا بھالا
اور مژدہ سنایا کہ اسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ صرف ذرا سا ذہنی Strain تھا۔
جس نے بری طرح اسے متاثر کر دیا تھا اور وہ ذہنی تناؤ کسی شدید فکر
کا رد عمل تھا۔ یہ تو وہ خاص ہی بنا سکتا تھا!

مریم کے دودھ لے آنے کے بعد انہوں نے اپنے سامنے اسے دودھ پلا کے ایک انجکشن دیا اور اطمینان دلا کے رخصت ہو گئے۔

جب کمرے میں کوئی نہ رہا تب ظہیر صاحب نے بے حد نرم آواز میں کہا۔

"یہ تم نے نئی حرکت کیسے کی۔ اپنی ہر الجھن مجھ سے بیان کر دیا کرتے تھے ابکی کیا ہوا کہ مجھ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہ سمجھی! خیر سنو! تمہارے اطمینان کی خاطر میں کہے دیتا ہوں کہ آج ہی میں نے مریم کو سب کچھ سمجھا کے سلمیٰ کے پاس بھیجا ہے۔ وہ اسے بھی سمجھا دے گی کہ ایک معمولی سی بات کے پیچھے اپنا مستقبل خراب نہ کرے اس کی تعلیم یہاں بھی جاری رہے گی۔ اب تم تندرست ہو کے جلدی سے اٹھ بیٹھو۔ شاباش"! ظہیر صاحب نے کہا اور پھر یہ تاکید کرتے ہوئے اٹھ گئے!

"تمہیں ایک پرسکون دوا دی گئی ہے۔ اپنے دماغ پر سے فکروں کے بوجھ کو ہٹاؤ اور آرام سے سونے کی کوشش کرو۔ انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا!"

پھر وہ کمرے سے چلے گئے لیکن رہی سہی نیند و تاسف کی آنکھوں سے دور ہو گئی!۔

سلمیٰ کے ہاں جا کے مریم کیا کہے گی؟

سلمیٰ ایک بے بنیاد بات کیونکر قبول کرے گی؟......

بھیا پر کیا ردعمل ہو گا؟

اور خود مریم کیا سوچے گی؟

فکروں کے بادل تہہ بہ تہہ اس کے دماغ پر اکٹھا ہوتے گئے! اور وہ بستر پر پڑا لمحہ بہ لمحہ پستی اور کمزوری محسوس کرتا رہا!

پھر وقت گزرنے لگا!

مقصود صاحب کے ہاں سلمیٰ کی شادی کی تیاریاں تاریخ کے دینے کے ساتھ ہی شروع ہو چکی تھیں۔ روز ان کے گھر میں شادی ہی کا شور مچا رہتا۔! شاپنگ کی جاتی۔ دالان میں قیمتی اور رنگ برنگی ملبوسات بکھرائے خواتین ان پر سوئی کا کام کرتیں۔ ان میں ہنسی مذاق جاری رہتا۔ کتنا سہانا ماحول تھا ان دنوں۔ جیسے در و دیوار تک مسکراتے ہوں! لیکن اس ماحول سے بالکل الگ تھلگ سلمیٰ اپنے کمرے میں بند رہتی! اس کے دل و دماغ پر انجانے احساسات کا کہرا چھایا ہوا تھا! ایک وہم اسے پریشان کرتا رہتا۔ وہ سسرال میں خوش نہ رہ سکے گی۔ اسے ظہیر صاحب کی شفقت اور وقاص کی محبت پر خبر وسہ تھا! سسرال میں تھا ہی کون؟ وہ وہاں کی تنہا حکمراں ہوتی۔ اس کے کسی بھی فعل پر نکتہ چینی کرنے والا کوئی نہ تھا جو چاہتی کرتی جیسا چاہتی رکھتی تھا ذکون تھا جو ٹوکتا روکتا! کتنا اطمینان ہوتا تھا اسے لیکن پھر یہ بیقراری بیتابی اور اضطراب کس چیز کا تھا۔ وجہ اس کی گرفت میں نہ آتی!

اپنی پوری زندگی میں بس ایک بار اس نے وقاص کو اپنی تمام محبتیں دے دی تھیں۔ اس کی جامہ زیب شخصیت، اس کی خوش مزاجی، لطیفہ پسند طبیعت اور بے ساختہ ہنسنے کا انداز اسے بے حد اچھا لگتا تھا۔ اسے بڑا ہوم تھا کہ وہ بھی اسی کا تھا! ہمیشہ اسی کا رہنے والا تھا۔ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ گڑھ کر ہر دوسرے تیسرے روز آتا تھا۔ اب تک اس نے کتنے تحفے

اس کی نذر کئے تھے۔ مگر پھر اس کا سلوک بدل گیا تھا۔ ہر خشن مزاج مرد کی طرح وہ بھی یکبارگی اکل کھرا اور سرد مہر ہو گیا تھا! اس کی طنزیہ باتیں ابھی تک سلمیٰ کو یاد تھیں اور اس کا جگر چھلنی کرتی تھیں۔

محبت کا اعتبار اگر ایک دفعہ جاتا رہے تو پھر دوبارہ اس کا قائم ہونا بہت دشوار ہوتا ہے۔

پچھلی دفعہ اس نے سب سے چھپا کر ایک خط دیا اس کو لکھا تھا اس میں اپنی ساری محبتوں کے معطر پھول بند کر دئے تھے اور دل میں سوچا تھا کہ اسے جب کوئی نامہ بر نہ ملے گا تب وہ خود بھی چپکے سے یہ خط اس کی آغوش میں رکھ دے گی! کتنے دنوں تک وہ اپنی تحریر کو ایک گناہ کی طرح چھپایا کی تھی! ہر روز صبح شام آٹھوں پہر اس نے اس کا انتظار کیا تھا ہر آہٹ پر اپنے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب کی تھیں ہر آواز پر اپنے کانوں کو آنگ ہوتے محسوس کیا تھا! مگر اس کا انتظار آہستہ آہستہ بے جان ہو گیا۔ وہ رو ہانسی ہو گئی۔ تھر اس نے اپنا خط نکالا۔ اسے پڑھا تھا۔ اس نے ہر ہر سطر میں موتی بھر دئے تھے۔ ہر ہر لفظ میں اپنی محبت کا عطر سمو دیا تھا۔ ہر ہر جملے پر وہ خود ہی شرم سے مسکراتی گئی تھی۔ اور پھر ــــ اس نے اس خط کو آہستہ آہستہ چاک کر دیا تھا اس کے پُرزے پرزے کر دئے تھے پھر وہ! نہیں! ایک ایک کر کے جانے کیوں بہت روئی تھی۔ بہت پچھتائی تھی۔ کیا معلوم۔ وہ آجاتا خط اسے مل جاتا اور وہ خوش ہو جاتا کہ ایک محبت بھرا دل اس نے بھی جیت لیا ہے مگر نہیں۔ وہ تب بھی نہیں آیا۔ اور اس نے خود کو اس دہشت کے سپرد کر دیا کہ ایک دوسری ہستی کی محبت نے اس کی محبت پر غلبہ

حاصل کر لیا تھا۔ وہ دوسری ہستی کون تھی؟ کہاں تھی؟ سلمیٰ کبھی معلوم نہ کر سکی؟

اس کی گوشہ نشینی، خاموشی اور اداسی سب کے لیئے باعث تشویش تو تھی مگر قابل اعتنا نہیں، کوئی شریف بے زبان لڑکی کبھی ہنستی مسکراتی سسرال نہیں جاتی!

پچھلے دنوں مریم نے اسے ایک نئی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ چند ادھوری سی باتیں کر کے اس کا سکون ملیا میٹ کر گئی تھی۔ مریم پھر نہیں آئی۔ اور کوئی ایسا تھا نہیں جو اسے بلا سکتا!

شادی کی تیاریاں جوں جوں ترقی کر رہی تھیں اس کا کرب و اضطراب بھی ترقی پر تھا۔ کمرے کی محدود فضا میں اس کا دم گھٹنے لگتا! باہر سے آتی ہوئی ہنسی قہقہوں کی آوازیں اس کے دل و دماغ پر گھن کی طرح لگتیں! اس صبح وہ بے چین ہو کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ اور دفعتاً ایک اس کا دل ٹھہر گیا! اسے مریم دکھائی دی۔ وہ اس کی امی کے پاس کھڑی خوش ہو کر سلمیٰ کا جہیز دیکھ رہی تھی مگر پہلی ہی نظر میں سلمیٰ نے بھانپ لیا کہ وہ خوشی مصنوعی تھی۔ اس کا انداز بناوٹی تھا۔ سلمیٰ کے ہونٹ خشک ہونے لگے! کیوں کر رہی تھی وہ ایسی اداکاری؟

پھر مریم نے اس کے کمرے کی طرف رخ کیا تھا۔ سلمیٰ انجان سی بنی فرش پر آ بیٹھی۔ مریم نے پردہ سرکایا اور اس کے پاس آ بیٹھی۔

"خیریت تو ہے؟" بے ساختہ سلمیٰ کی زبان سے نکلا۔

"مجھ سے کچھ نہیں!" مریم نے کہا۔ وہ پھر وقاص کی دیوانگی کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

"کیا ہوا؟" سلمیٰ نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔ "کچھ سنا تھا میں نے کہ ظہیر صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اب ان کا جی کیسا ہے؟ کیا ہوا تھا؟"

مریم نے اسے ایک نظر دیکھا اور گہری سانس لی۔

"بولو مریم!" سلمیٰ کا چہرہ سفید ہونے لگا تھا۔

"وہاں جو کچھ ہوا اس کی پوری ذمہ داری تم پہ ہے۔"

"مجھ پر؟" سلمیٰ کی آواز حلق میں پھنس گئی!

"ہاں۔ تم پر!" مریم نے سنجیدگی سے کہا: "تم نے اپنی اور سب کی زندگیاں تماشہ بنا رکھی ہیں۔ کسی واقعہ کی کوئی اہمیت تمہارے نزدیک نہیں ہے۔ سچ بتاؤ کہ تم نے رازداری کا وعدہ لے کر وقاص صاحب سے کیا کہا تھا؟ وہ تمہارا راز، راز نہ رکھ سکے۔ نانی اماں سے کہہ دیا۔ انہوں نے ظہیر صاحب تک بات پہنچا دی ہے۔ اور آج ظہیر صاحب نے سارا قصہ مجھ سے کہہ کر تاکید کی ہے کہ میں آج اور ابھی تمہارا جواب ان تک پہنچا دوں۔ انہوں نے کبھی اتنی تفصیلی بات چیت مجھ سے نہیں کی تھی جیسی آج کی ہے۔ اب ایک ذمہ داری مجھ پر آن پڑی ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں؟"

"مریم۔ کچھ تو تمہیں قسم کھاؤں کہ تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔" سلمیٰ خوفزدہ ہو گئی۔ "کس کی زندگیوں کو میں نے تماشہ بنایا ہے۔ کیا کہا ہے میں نے وقاص صاحب سے۔ خدا کے لئے ٹھیک بتاؤ کہ میرا کون سا راز وقاص صاحب نے راز نہیں رکھا۔ راز کے لفظ سے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ کون سا راز ہے مریم؟ بولو مجھ سے!"

"تم نے وقاص صاحب سے رازداری سے کہا تھا کہ ابھی تم ان سے شادی

کرنے پر راضی نہیں ہو تمہیں اپنی تعلیم پوری کرنی ہے اور تم نے انہیں تاکید کی تھی کہ کسی سے نہ کہیں۔ ان بے چارے نے تمہارا بھرم تو رکھ لیا ہے، مگر اپنے بھائی کو خفا کر دیا۔ کل سے اسی مسئلہ نے ظہیر صاحب کو پریشان کر رکھا ہے کہ مقصود بھائی نے ایک تاریخ دے دی ہے لیکن وقاص صاحب نے صرف تمہاری خاطر انکار کر دیا۔ اب ظہیر صاحب پریشان ہیں کہ یہاں کن الفاظ میں انکار کہلا بھیجیں گے؟ سلمیٰ! کیا یہ تمہاری نادانی اور ناسمجھی نہیں ہے؟ آخر تم تعلیم پوری کرنے پر کیوں اتنی شدت سے مصر ہو۔ کیا کرنا ہے تمہیں سند لے کر؟ میں حیران ہوں کہ تم آخر پڑھائی کو اس قدر اہمیت کیوں دے رہی ہو؟"

سلمیٰ کے لبوں پر ایک عجیب سی ناقابل فہم استہزائیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ تلخ انداز میں بولی: "تعلیم تو میں نے ایک شاندار مستقبل پر ترجیح دی ہے؟ مجھے شوہر کی دی ہوئی عزت کی روٹی اچھی نہیں لگتی۔ میں اپنی کمائی کھانا چاہتی ہوں! یہی مطلب ہے تمہارا؟ اور یہ ساری باتیں میں نے اپنے ہونے والے شوہر سے کی ہیں، تاکہ وہ مجھ سے بدظن ہو جائے۔ ہمیشہ مجھے جلی کٹی سنایا کرے۔ اپنے طنز کے تیروں سے میرا دل چھلنی کرے؟ میں ایسی ہی ناسمجھ اتنی ہی ناعاقبت اندیش ہوں!"

"تو تم نے وقاص صاحب سے آخر کہا کیا تھا جس کا پہاڑ بن گیا؟"

حیرت سے مریم نے پوچھا۔

"کچھ نہیں!" سلمیٰ بولی: "میں پہلے ان سے بات چیت کرتی تھی لیکن جب ان کے نام کی انگشتری میری انگلی میں آگئی تب ان سے باتیں کرنا، رازداری کرنا تو ایک طرف رہ گیا میں ان کے سامنے نکلتے بھی شرماتی تھی

تمہاری عقل باور کرتی ہے کہ میں اپنی زبان سے اس طرح کی کوئی بات ان سے کہہ سکتی ہوں جبکہ۔ جبکہ۔ میں۔ ان کی زندگی میں آنے کے دن گن رہی تھی!" اس نے ایک سانس لی اور پھر بولی تو اس کے لہجے میں گریہ کی کپکپاہٹ تھی۔" مریم، میں سمجھتی ہوں یہ سب گھڑت باتیں۔ وقاص صاحب نے کی ہیں۔ ان کا سلوک بہت دنوں سے میں بدلا ہوا دیکھ رہی ہوں۔ تم سے میں نے شکایت بھی کی تھی کہ انہوں نے یہاں کا آنا جانا چھوڑ رکھا ہے۔ اب انہوں نے میرا نام لے کر جو بہانہ کیا ہے وہ بہت گہرا ہے۔ اس بہانے کی تہہ میں ان کی کوئی محبوب ہستی پوشیدہ ہے۔ وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں۔ میں ان کے دل سے اتر چکی ہوں!"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" مریم کے دل میں چور تھا۔ وہ سہم سی گئی!۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی!" سلمٰی زہریلے لہجے میں بولی۔" اگر انہیں کسی اور سے محبت ہے تو انہیں مبارک ہو۔ محبت، دل کا سودا ہے۔ زبردستی کا نہیں۔ وہ خوشی سے کہیں اور شادی کریں۔ خدا کرے کہ ہمیشہ خوش رہیں مگر مجھ پر اس طرح کا الزام نہ رکھیں۔ ان میں کیا اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے۔ صاف صاف انکار کر دیں۔ مجھے اپنے اور میرے بھائیوں کے سامنے رسوا کیوں کر رہے ہیں؟" اچانک وہ رونے لگی! مریم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے! یوں سکتہ زدہ سی رہ گئی کہ جیسے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اس کا ایک چور سلمٰی نے انجانے میں پکڑ لیا تھا! اور وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں اسی کی ہستی درمیان میں نہ آ جائے آفاق صاحب اور اپنی بھابی سے جواب دہی اس کے لئے بھی آسان نہ تھی! وہ کانپ گئی! بھابی یونہی اس کی جان کو آئی رہتی تھیں

اب جانے کیا طوفان اٹھا دیں گی یہ۔

پھپھو۔ پھر میں جا کے ظہیر صاحب کو کیا جواب دوں؟" وہ بھرآئی ہوئی آواز میں بولی۔ "کتنی عجیب سی ذمہ داری انہوں نے مجھے سونپ دی ہے!"

"تم ان سے کچھ مت کہو!" سلمیٰ نے اسے بھنور سے نکال لیا۔ "اب تو میرے سر بدنامی آ چکی ہے میں ایک دفعہ وقاص صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔ کچھ رسوائی اور سہی جو کہنا سننا ہو گا ان سے کہہ سن لوں گی۔ یہ میری موت و حیات کا معاملہ ہے مریم۔ اگر وہ مجھ سے خوش نہ رہیں یا میرے دل میں ان کی عقیدت نہ ہو سکی تو پھر۔ ساری زندگی ایک ریاکاری بن کر کیونکر گزرے گی؟"

"تم ملو گی سلمیٰ؟" حیرت و تعجب سے مریم نے پوچھا۔ "مگر کیسے؟ کہاں؟ کیونکر؟ کیا کسی کو پتہ نہ چل جائے گا؟"

"چل جائے!" سلمیٰ نے بے پرواہی سے کہا۔ "یہ نزع کی سی کیفیت اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی ہیں۔ بھیا کی طبیعت پوچھنے جاؤں گی بس۔ اور کیا؟"

"تمہیں خدا ہمیشہ اچھا رکھے۔ میری پیاری بہن۔ ایک بڑا بوجھ تم نے میرے سر سے اتار دیا۔ تو پھر میں اب میاں دوں تم کب تک آ ؤ گی؟"

مریم کا پژمردہ چہرہ دمک اٹھا۔ سلمیٰ اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ مریم نے دیکھا کہ وہ کسی قدر لاغر ہو رہی تھی! مریم کے دل پر دھکا سا لگا وقاص نے سب کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دی تھی۔

دالان میں اب بھی ہنسی مذاق ہو رہا تھا مریم کو خدیسہ بیگم نے

کھانے پر ٹھہرانا چاہا تھا مگر وہ ان سے معذرت کر کے سلمیٰ کے ساتھ باہر آ گئی!

دروازے پر پہونچ کر مریم نے آہستہ سے پوچھا "تم کب تک آؤ گی سلمیٰ؟"

"آج شام کو۔ جب بھیا گھر پر نہ ہوں گے!" ایک حزیں لہجہ۔ سسی مسکراہٹ سلمیٰ کے پپڑی بندھے لبوں پر بکھری۔ اس نے عجیب طرح سے ہنس کر مریم کو دیکھا تھا اور بولی۔

"تم کیوں گھبرا رہی ہو۔ بھیا سے جا کے میری طرف سے کہہ دینا کہ وہ۔ وہ۔ ان ہی سے کہہ سن لے گی۔ تم بڑی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤ گی!"

"اچھا!" مریم نے اسے دیکھا اور بڑھ کر رکشے پر بیٹھ گئی! سلمیٰ واپس اپنے کمرے میں پہنچی تو بے آواز رو رہی تھی! بہت دنوں سے وہ شگفتہ خاطر نہ تھی لیکن اب تو دل یوں ٹوٹ گیا تھا کہ قطرہ قطرہ ہو کر آنکھوں سے بہہ رہا تھا!

مریم بھی حواس باختہ سی گھر پہونچی اس کے سر سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا لیکن ظہیر صاحب کو جواب دینے کی ذمہ داری بھی کچھ کم نہ تھی! سوءِ اتفاق سے سب سے پہلے مڈ بھیڑ بھی انہی سے ہو گئی! وہ لباس تبدیل کر کے کہیں باہر جا رہے تھے۔ زینوں پر دونوں ٹھٹھک گئے۔ پھر ظہیر صاحب نے کہا۔

"آئیے۔ ادھر کرسیوں پر بیٹھ جائیں میں آپ کا انتظار کر کے جا رہا تھا! اچھا ہوا آپ جلد ہی واپس ہو گئیں۔ آپ سے کچھ کہا لڑکی نے؟"

"جی ہاں!" غیر ارادی طور پر مریم سے الفاظ بہنے لگے "میں نے

اس سے آپ کی سب باتیں کہہ دی تھیں مگر !! ۔"

اور تبھی پردے کے پیچھے وقاص ساکت ہو گیا۔ وہ ظہیر صاحب کو باہر جاتے دیکھ کر چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا باہر نکلا تھا اور دو روز کی قید اور ذہنی بیماری کو دور کرنے کی خاطر باہر کی تازہ ہوا میں ٹہلنے کی خاطر باہر جانے والا تھا۔ لیکن ظہیر صاحب اور مریم کو دیکھ کر اپنی جگہ جم گیا۔ ان کی بے ربط مگر معنی خیز گفتگو نے بھی اسے بے چین کر دیا تھا کیا سوال کیا تھا ظہیر صاحب نے کہ مریم اس کا جواب طے کر آئی تھی! اسے یقین تھا کہ اس سوال و جواب کا تعلق یقیناً اسی کی ذات سے تھا!

"میں نے آپ سے کہا تھا جناب کہ۔" مریم نے دل ہی دل میں وقاص کی دیوانگی کو یاد کر کے اور کانپ کر کہا "سلمیٰ ایسی جسارت نہیں کر سکتی"۔ اس کی گفتگو میں ربط نہ رہا تھا! سہم رہی تھی ایک ناگوار قضیہ میں اس کی ذات کو ملوث دیکھ کر آفاق صاحب، بھابی، وقاص، ظہیر صاحب اور خود سلمیٰ پر الگ الگ کیا ردعمل ہو گا؟ اور وہ خود، اپنی نگاہوں میں آپ نہ گر جائے گی۔ وہ ایک خاص جذبہ سے مجبور ہو کر یہاں آئی ہی کیوں تھی۔ ایک "بڑی محبت" کی خاطر اس نے "چھوٹی محبت" کا ذریعہ کیوں تلاش کیا تھا؟ اس کی سوچوں کو ظہیر صاحب کے استفسار نے درہم برہم کر دیا۔

"آپ نے اپنی بات مکمل نہیں کی؟"

"جی ہاں۔ وہ تو۔ کہہ رہی تھی کہ ــــ ایسی کوئی بات اس نے وقاص صاحب سے نہیں کی تھی۔ اب وقاص صاحب نے اس کی طرف سے یہ کیوں کہا تھا؟ وہ جانیں۔" پھر وہ یکایک گھبرا کر بولنے لگی "اور اب۔ اب ظہیر صاحب۔ آپ مجھے بھی اجازت دے دیجئے۔ میں نشید کی محبت سے

مجبور ہو کر اور آپ سب کی تنہائی کے خیال سے آجاتی تھی۔ اب نہیں آؤں گی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ پھر میں زندہ رہنے کا کون سا بہانہ تلاش کروں گی۔ مگر اب میں یہاں نہیں آؤں گی۔ میں جا رہی ہوں۔ آپ کی خدمت میں میں نے اپنی مسرت تلاش کرنا چاہی تھی۔ مگر میں کتنی بدنصیب ہوں اگر کوئی ایسی بات اس عرصہ میں مجھ سے ہو گئی ہو جو آپ کو ناگوار گزری ہو تو۔۔ مجھے معاف کر دیجئے گا!"

اس نے ایک سسکی لی اور سر جھکا لیا۔

"لیکن۔" ظہیر صاحب نے ٹوٹی بکھرے ہوئے لہجے میں کہا "میں نہیں سمجھتا کہ یکایک آپ نے یہ ارادہ کیوں کر لیا ہے۔ آپ کی ذات نے مجھے بہت سہارا دیا تھا میں جب تک باہر رہتا تھا مطمئن رہتا تھا کہ میرا گھر اور میرا بچہ ہمدرد کے ہاتھوں میں ہے مگر آپ ہی کی مرضی جو یہاں آنے کی نہیں ہے تو میں آپ کو مجبور بھی نہیں کر سکتا!"

وقاص اپنے کمرے میں آیا تو لڑکھڑاتا ہوا آیا۔ اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کی لکیریں بہہ رہی تھیں۔ وہ دیوانہ سا کھلی کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کچھ سوچنے کی کوشش کرنے لگا! مگر ایک سوچ کو بھی اپنی گرفت میں نہ لے سکا! اس کے ذہن کے اسکرین پر بار بار بجلی کی طرح صرف ایک خیال چمک رہا تھا۔ بجھ رہا تھا۔

"وہ جا رہی ہے۔ وہ جا رہی ہے۔"

"اس کے روکنے کی کون سی ترکیب ہے؟ کیا کرے وہ؟ کیا وہ ہمیشہ کے لئے جا رہی ہے؟"

"پھر کیا ہو گا؟ جیسے کچھ دنوں پہلے کھو گئی تھی ویسے ہی ہمیشہ کے لئے

کھو جائے گی۔ اور وہ۔ اور بھیا۔ پھر تاریکی ہی رہ جائیں گے۔ اس نے پاگلوں کی طرح دوڑ کر دروازے کے باہر جھانکا۔ یہاں وہاں ہر طرف مریم کی محبت کے نشان ثبت ہیں۔ اس کے جانے کے بعد یہ گھر۔ اس کا دل، اس کی زندگی سب کچھ خالی ویران اور اجاڑ ہو کر نہ رہ جائے گی۔

کیا کروں میں؟ کیا کروں؟ کہ وہ نہ جائے!

پھر ایک دریچہ سا اس کے ذہن میں کھل گیا اور کہیں سے روشنی کا سیلاب سا در آیا۔

میں مجبور کر دوں گا اسے!۔

وہ پلٹا اور دفعتہً بت بن گیا۔ دروازے کا پردہ تھامے مریم کھڑی تھی۔ اداسی سی، اس کی آنکھیں گلابی تھیں، وہی قاتل آنکھیں جنہوں نے وقاص کی زندگی کی رگیں کاٹ دی تھیں لیکن آج مریم کو دیکھنے کے بعد اس کے دل و دماغ میں حیوانی جذبوں نے ہلچل نہیں مچائی۔ آج اس کے چہرے پر ایک تمانیت آنکھوں میں عجیب سا نور تھا!

"آئیے!" وہ مسکرایا تھا!

"شکریہ وقاص صاحب! میں یہاں بیٹھ کر باتیں کرنے نہیں آئی! میں جا رہی ہوں۔ آپ سے آخری بار ملنے آئی تھی!"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں" وقاص نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "آپ نے بہر حال میری اتنی سی اجیت تو محسوس کی ہے۔ کیا صرف پانچ منٹ تکلیف کر کے میری باتیں نہیں سن سکیں!"

"آپ کی باتیں جذبہ و جوش کی ہوتی ہیں" مریم نے کہا۔ "انہیں سننے کا کیا فائدہ؟"

وقاص بڑے دلپذیر انداز میں مسکرایا۔ "اس وقت کی باتیں عقل و ہوش کی ہوں گی۔ سننے میں کیا حرج ہے؟"

اس کے سنجیدہ لہجے نے مریم کو گھبرا دیا۔ اب یہ دیوانہ کیا کہے گا؟ پھر بھی اس نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"کہیے!"

"آپ کیوں جا رہی ہیں؟" وقاص نے پوچھا۔

"یہاں میرا کیا کام ہے؟" اس عجیب سے سوال سے چکرا کر مریم نے جواب دیا۔

"آپ یہاں روز آتی کیوں تھیں؟"

"تب کام تھا!" بے چاری معصوم سی لڑکی نے گھبرا کر کہہ دیا۔

وقاص نے ایک بدلا ہوا قہقہہ لگایا۔ اس میں درندگی، وحشت، ہوس اور کسی بھی آلودہ جذبے کا شائبہ نہ تھا۔ کچھ شوخی تھی کچھ خلوص۔ اور بہت زیادہ اپنائیت!

"آپ صرف میری وجہ سے جا رہی ہیں!" وہ دفعتہً سنجیدہ ہو گیا۔ "لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب میں اپنے ہوش و حواس میں واپس آ گیا ہوں۔ آپ نے اس دن جو باتیں مجھ سے کی تھیں وہ آج مجھے اپنی حقیقت اور بے ثباتی کا یقین دلا رہی ہیں۔ سچ مانیے کہ میں نے اپنی حماقت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اب کبھی آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی! میں وعدہ کرتا ہوں۔ آپ میرے لئے ایک بڑی مقدس اور قابل احترام ہستی ہیں۔ آپ نے میرے دماغ کے تاریک دروازے کھول دیے ہیں لیکن آج آپ اپنی خوبصورت اور دل آویز باتوں کی نفی کیوں کر رہی ہیں؟"

مریم اسے دیکھتی رہ گئی. اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ اس کی باتوں کا کیا جواب دے؟۔ وقاص پھر بولا.

"آپ نے کہا تھا جینا وہ جینا نہیں جو صرف اپنے لئے ہو۔ کہا تھا نا آپ نے؟!"

"کہا تھا۔"

"اور آج آپ ہمیں ایک مایوس، اندھیرے اور غیر یقینی مستقبل کے حوالے کر کے اپنا جینا آپ جینا چاہتی ہیں۔" وقاص نے کہا: "آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اب میں بھیا اور وہ معصوم بچہ آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جو آپ کو نہیں دیکھتا تو بے چین ہو جاتا ہے مریم صاحبہ! ہو سکتا ہے کہ اپنے اس آخری اور قطعی اور ناقابل ترمیم فیصلے سے آپ مطمئن ہوں. ہمیں چھوڑ کر آپ خوشی محسوس کریں. لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے بغیر ہم لوگ کتنی شدید محرومی سے دوچار ہو جائیں گے!"

پھر وہ خوشنما آنکھیں حیرت و تعجب سے اس کی طرف اٹھ گئیں!

"لیکن آپ اس محرومی کا مداوا جس طرح چاہتے ہیں وہ ناممکن ہے"

"آپ نے مداوے کی نوعیت ابھی سنی کہاں ہے؟" وقاص نے کہا۔ اور بے حد ملتجی لہجے میں بولا۔ "میری پچھلی حماقتوں کو بھول جائیے۔ انہیں کبھی یاد کر کے مجھے شرمندہ بھی نہ کیجئے گا میں آپکے ہاتھ جوڑتا ہوں"

مریم کے لبوں پر مسکراہٹ کی مدھم سی چاندنی ابھری: "نہیں نہیں یہ مت کیجئے! مجھے آپ کی طفلانہ حماقتوں کا کچھ احساس نہیں ہے!"

"مجھے کیسے یقین آئے کہ آپ سچ کہہ رہی ہیں؟"

"کیسے یقین دلاؤں؟"

"ایک وعدہ کر کے!"

"وعدہ؟"

"جی! لیکن اس کا تعلق مجھ سے نہیں ہے!"

"تو پھر؟"

"مریم! میں ایک بار پھر آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھ سے وعدہ کیجیے کہ آپ اس گھر سے کبھی نہیں جائیں گی! ان لوگوں کو آپ مایوس و محروم نہ کریں گی جو آپ کی ذات ومحبت سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ مریم! آپ کو خدا کا واسطہ۔ آپ کو بھیا کے بچے کی محبت کا واسطہ آپ بھیا کی زندگی میں چلی آئیے! وہ اپنے تباہ ہیں۔ بدحال ہیں۔ ان کے دماغ پر بہت سا بوجھ ہے۔ ان کی فکریں آپ ہی بٹا سکتی ہیں۔ اس بوجھ کو آپ ہی کے ہاتھ سنبھال سکتے ہیں۔ مریم! سہارا دیجیے کر مت چھینیے! خدا کے واسطے!"

"کیا؟" ایک معطر ہوا مریم کے رسیلے لبوں کی کلیوں کو چپکے سے شگفتہ کر گئی۔ اس کا سر جھکا تو پھر نہیں اٹھایا۔

دفعتہً باہر سے ظہیر صاحب نے اسے آواز دی۔ اور وہ اس احتیاط سے کہ اس کے لباس کا ایک تار بھی مریم کے بدن سے چھو ئے۔ اسکے پاس سے گزر کر باہر چلا گیا۔

ظہیر صاحب شہ نشین کے پاس ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے رک کر دتاصل کو قہر آلود نظروں سے گھورا لیکن وہ گھبرانے اور خوفزدہ ہونے کی بجائے بے پروائی سے بولا۔

"فرمائیے بھیا!"

اس کے لہجے سے ظہیر صاحب کو سخت غصہ آ گیا۔ کچھ گرج کر بولے۔

"میری اور اپنی عزت کو تم نے تماشہ بنا رکھا ہے۔ ہمارے آپس کے تعلقات کو تم مذاق سمجھتے ہو۔ جواب دو مجھے کہ تم نے ایک بے خبر لڑکی کی طرف سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ کیا مطلب تھا تمہارا؟ کیا تم اسے بدنام اور مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔ آج میں نے ایک معتبر شخص کے ذریعہ جواب منگوا لیا ہے۔ اس ساری کارستانی سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ بتاؤ۔ جواب دو مجھے!"

"بھیا۔ مجھے کسی بات سے انکار نہیں!" وقاص نے جواب دیا۔ "میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے! مگر مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ بھیا آپ آرام سے کوچ پر بیٹھ جائیے نا!"

ظہیر صاحب کو اور طیش آیا۔

"کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔ میرے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی پرواہ مت کرو۔"

"بھیا آپ جب تک نہیں بیٹھیں گے میں نہیں کہوں گا!"

اسے گھورتے ہوئے ظہیر صاحب پتھر کی بنچ پر بیٹھ گئے۔ اور تب دفعتہً وقاص یکبارگی آگے بڑھ کر ان کی پنڈلیوں سے لپٹ گیا اور ان کے زانو پہ سر رکھ کر بولا۔

"بھیا۔ میں آپ کے کسی حکم سے باہر نہیں ہوں۔ آپ کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں مر سکتا ہوں آپ کے لئے۔ مگر۔ آپ۔ میری ایک شرط پوری کر دیجئے۔ آپ نے مجھے باپ کی سی محبت دی ہے۔ میری ہر خواہش آپ نے پوری کی ہے۔ بھیا میں آپ سے ایک خواہش اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"اپنی شرط بتاؤ!" حد درجہ متاثر ہو کر ظہیر صاحب نے کہا۔

"بھیا۔ پہلے وعدہ کیجئے!" اس نے نظریں اوپر اٹھائیں ظہیر صاحب نے دیکھا وہ رونے لگا تھا۔ آنکھیں جھیل بن گئی تھیں! ہونٹ کپکپا رہے تھے! ظہیر صاحب کی انگلیاں اس کے اُلجھے بالوں میں کنگھی کرنے لگیں!

"بھیا! کیا آپ نے مریم صاحبہ کو گھر جانے کی اجازت دے دی؟" وقاص نے پوچھا۔

"اس میں میری اجازت کا کیا سوال ہے؟" ظہیر صاحب نے کہا: "ان کی مرضی۔ جب چاہیں آئیں جب چاہیں جائیں!"

"بھیا۔ انہیں مت جانے دیجئے!" وقاص ان کے زانو پر آنکھیں رگڑنے لگا! "اس گھر کو، نشید کو، مجھے، آپ کو ان کی ضرورت ہے۔ ہم ان کے بغیر نہیں رہ سکتے! بھیا آپ انہیں اپنا لیجئے۔ حماقت ہوئیے چھوٹا منھ ہے بات بڑی ہے مگر آپ کو میری بات ماننی ہی پڑے گی! ورنہ۔ ورنہ میں امّی کی قسم کھاتا ہوں۔ میں زندہ نہیں رہوں گا!"

"وقاص!" وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولے۔

"نہیں زندہ رہوں گا بھیا۔ آپ وعدہ کیجئے! میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا!" اور وہ دفعتہً بلک بلک کے رو پڑا۔ ظہیر صاحب اس کے سر پر ہاتھ رکھے مبلگجے خلا میں تکتے رہ گئے۔ مریم دروازے کی آڑ میں کھڑی سن رہی تھی! اور حیرت و مسرت کے سنگم پہ دم بخود تھی!

ملازم نے اچانک اطلاع دی۔

"سرکار! سلمیٰ بی بی آئی ہیں۔ نانی امّاں کے پاس بیٹھی ہیں!" ظہیر صاحب مسکرائے اور وقاص کے گال پر تھپکی دے کر اٹھ گئے۔

وقاص باہر نکلا مریم دروازے کے پاس ملی اور چپکے سے بولی۔
"کیا آپ سچ مچ سب کچھ بھول گئے وقاص صاحب؟ کیا آپ سلمیٰ سے پہلے کی طرح نہیں ملیں گے؟"

"ضرور ملوں گا!" وہ مسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔ زبان حال سے کہتا ہوا!

"مریم!

محبت تم سے کی میں نے تمہارے بے وفا ہوتے
اگر تم باوفا ہوتے تو میں نے کیا کیا ہوتا"

ختم شد